ضرورت حدیث

صدر الدین

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس - لاہور
(مغربی پاکستان)

www.aaiil.org

پرنٹر :
اردو ٹائپ پریس
چیمبرلین روڈ ۔ لاہور

دسمبر : ۱۹۵۵ء
تعداد : ۱۰۰۰
قیمت :

ناشر
احمدیہ انجمن اشاعت اسلام
احمدیہ بلڈنگس ۔ لاہور

ضرورت حدیث

انڈکس

نمبر شمار	خلاصہ مضمون		صفحہ کتاب
۱-	دیباچہ	....	۱
۲-	حضرت نبی کریم ﷺ کی سرگزشت کا مطالعہ کرنے کے بارہ میں حکم الٰہی	....	۹
۳-	حضور کی ذاتی صفات محمودہ اپنے اندر مقناطیسی جذب رکھتی ہیں	....	۱۱
۴-	فطرت انسانی میں تقلید کا خاصہ رکھا گیا ہے	....	۱۴
۵-	رسالت ایسے بلند منصب کے لئے باکمال انسان کا انتخاب	....	۱۶
۶-	اطاعت رسول کی اہمیت	....	۱۸
۷-	حضور ایسے باکمال انسان کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور کبریائی کو مد نظر رکھ کر کیا	....	۲۱
۸-	حضور ہر وقت رسول کی حیثیت میں	....	۲۴

نمبر شمار	خلاصہ مضمون		صفحہ کتاب
۹-	حضور کے بیان کردہ مطالب قرآن تمام مفسرین کی تفاسیر پر ترجیح رکھتے ھیں	....	۲۵
۱۰-	حضور کے حکم کی تعمیل پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا اظہار	....	۳۲
۱۱-	اسوہ حسنہ کی تفصیلات ـــ حدیث میں	....	۳۴
۱۲-	حدیث کے بغیر قرآن کریم کی بعض آیات کی تفسیر کرنا امر محال ہے		
	جنگ احد اور اس میں بعض قیمتی سبق	....	۳۹
۱۳-	جنگ بدر کی تفصیلات	....	۵۱
۱۴-	جنگ حنین کی تفصیلات حدیث میں ملتی ھیں		۶۱
۱۵-	جنگ احزاب	....	۶۸
۱۶-	جنگ تبوک	....	۷۲
۱۷-	منکرین حدیث کو چیلنج	....	۷۶
۱۸-	(لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ) عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوْا		۷۸
۱۹-	فتح مکہ	....	۸۴
۲۰-	فتح مکہ کی تفصیلات	....	۸۷
۲۱-	ورود مکہ اور چند واقعات	....	۸۹

نمبر شمار	خلاصہ مضمون		صفحہ کتاب
۲۲-	حرم کعبہ میں نماز ادا کرنے سے متعلق ایک واقعہ	....	۹۰
۲۳-	اُم ھانی کی زیارت	....	۹۱
۲۴-	ھندہ کا دربار میں حضور کے سامنے پیش ھونا	....	۹۳
۲۵-	عکرمہ بن ابی جھل	....	۹۴
۲۶-	الوحشی قاتل حمزہ	....	۹۵
۲۷-	ھبّار	....	۹۵
۲۸-	ابن ابی سرح	....	۹۶
۲۹-	ابو لھب کے دو بیٹے	....	۹۷
۳۰-	لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ	....	۹۷
۳۱-	تطہیر کعبہ	....	۹۸
۳۲-	بلال کی اذان کعبہ کی چھت پر	....	۹۹
۳۳-	حضور کی مکہ سے واپسی	....	۹۹
۳۴-	سورۃ الفیل کی تفسیر	....	۱۰۱
۳۵-	سورۃ عبس کی تفسیر	....	۱۰۷
۳۶-	سورۃ المجادلہ	....	۱۰۹

نمبر شمار	خلاصہ مضمون	صفحہ کتاب
۳۷-	وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ	۱۱۳
۳۸-	اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰكَ اللّٰهُ	۱۱۷
۳۹-	تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ	۱۱۹
۴۰-	پیشگوئیاں و کشوف و رویا	۱۲۹
۴۱-	قرآن کریم میں یہودیوں کے متعلق ایک پیشگوئی کا ذکر	۱۳۶
۴۲-	عیسائیوں کے متعلق پیشگوئی	۱۴۰
۴۳-	حَتّٰى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ....	۱۴۴
۴۴-	سورہ کہف میں ایک پیشگوئی	۱۴۵
۴۵-	فرعون مصر کا خواب	۱۴۶
۴۶-	حضرت یوسفؑ کا خواب	۱۴۸
۴۷-	حضرت ابراہیمؑ کا خواب	۱۵۰
۴۸-	حضور نبی کریم ﷺ کا رویا	۱۵۰
۴۹-	حضور کا ایک اور خواب	۱۵۴

نمبر شمار	خلاصہ مضمون		صفحہ کتاب
۵۰-	بعثت مجددین کے متعلق حضور کی پیشگوئی	....	۱۵۵
۵۱-	مصر کے فتح کرنے کی پیشگوئی	....	۱۵۹
۵۲-	قیصر و کسریٰ کے متعلق پیشگوئی	....	۱۶۰
۵۳-	ازواج مطہرات کے متعلق پیشگوئی	....	۱۶۲
۵۴-	جنگ احزاب کے موقعہ پر ایک پیشگوئی	....	۱۶۳
۵۵-	اسلامی حکومت کے مشرق و مغرب میں پھلینے کے متعلق ایک کشف	....	۱۶۷
۵۶-	مصر کی پیش کردہ دو شہادتیں	....	۱۶۸
۵۷-	شہادت متعلق قرآن	....	۱۶۹
۵۸-	شہادت متعلق حدیث	....	۱۷۰
۵۹-	حضور نبی کریم کی کثیرالتعداد حدیثیں آیات قرآنیہ کا ترجمہ و تفسیر ہیں	....	۱۷۵
۶۰-	سینوں سے نہ مٹنے والے اور حافظوں سے فراموش نہ ہونے والے واقعات	....	۲۰۵
۶۱-	ھجرت	....	۲۰۵
۶۲-	بیعت عقبہ	....	۲۰۶
۶۳-	غار ثور	....	۲۰۹
۶۴-	مقوقش شاہ مصر کے نام خط	....	۲۱۴

نمبر شمار	خلاصہ مضمون	صفحہ کتاب
۶۵-	نقل خط بنام مقوقش شاہ مصر	۲۱۵
۶۶-	حجۃ الوداع	۲۱۸
۶۷-	حدیث کو ضبط میں لانا	۲۲۰
۶۸-	اولی‌الامر کی اطاعت مشروط ہے	۲۲۳
۶۹-	اطاعت کے لفظ پر بحث	۲۳۵
۷۰-	حضور کے اعمال میں وسعت	۲۴۰
۷۱-	مشرک قبائل کی عزت افزائی	۲۴۱
۷۲-	یہودیوں کی عزت افزائی	۲۴۲
۷۳-	حضور انسانیت کی نشو و نما کے لئے مبعوث کئے گئے تھے	۲۴۳
۷۴-	عامۃ الناس کی راھنمائی کرنے والی احادیث	۲۶۳
۷۵-	حدیث قدسی	۲۸۷
۷۶-	حضور کے فیصلہ جات کو خوش دلی سے مان لینے کا حکم	۲۹۰
۷۷-	حضور کی رسالت کی اہمیت	۲۹۲
۷۸-	احادیث کی حفاظت	۲۹۴
۷۹-	لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ سِوَا الْقُرْآنِ	۲۹۷
۸۰-	خاتم النبیین	۳۰۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّىْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دیباچہ

موجودہ دور میں بعض ایسے اشخاص پیدا ہو گئے ہیں جو حدیث کا نہ تو انکار کرتے ہیں اور نہ ہی حدیث کو قبول کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ارشادات نبوی ﷺ کی حیثیت صرف تاریخی ہے اور تاریخی حیثیت سے ہم کو حدیث کا انکار نہیں ہے۔ لیکن حدیث کی پابندی کرنا نہ واجب ہے اور نہ ضروری ہے۔ ان کے خیال میں حدیث کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ اس کی مدد سے عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے بارے میں آگاہی میسر آتی ہے۔ ور نہ حدیث کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اس کو دین کی اساس قرار دیا جائے یا اس کو دین کا مستند ماخذ یقین کیا جائے یا ملت کے مسائل کا حل اس میں تلاش کیا جائے۔ غرضکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حدیث کو تاریخی حیثیت کے سوا اور کسی قسم کا دینی مرتبہ نہیں دیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے

امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت مراد ہے - جب تک رسول اللہ ﷺ زندہ تھے ان کی اطاعت کرنا اللہ و رسول کی اطاعت کرنا تھا ۔ آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت کرنا اللہ و رسول کی اطاعت کرنا ہوگی - علاوہ ازیں ان کے خیال میں اطاعت کا لفظ زندہ شخص کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے - ان کا خیال ہے چونکہ رسول کریم ﷺ وفات یافتہ ہیں اسلئے اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا حکم بھی ان کی وفات کے ساتھ ناقابل نفاذ ہو گیا ہے - اب اطاعت رسول کا اطلاق مرکز ملت کی اطاعت پر ہوگا ۔

ان کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت بہ حیثیت صدر ریاست یا بطور مرکز ملت کے تھی- اسلئے اب ان کی جگہ مرکز ملت کی اطاعت کرنا یا اسمبلی کی اطاعت کرنا مسلمانوں کا فرض ہو گیا - اور اسی کو

اَطِیْعُوا اللہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

کی اطاعت یقین کیا جائیگا یعنی خدا اور رسول سے مراد وہ مرکز ملت ہوگا جو قوانین نافذ کیا کریگا ۔ اس مرکز ملت یا اسمبلی کے لئے ضروری نہ ہوگا کہ حدیث کی پابندی کرے بلکہ وہ پیش آمدہ صورت حال کے لحاظ سے نیا طریق اختیار کرنے کی مجاز ہوگی اور اس پر کوئی شخص اعتراض کرنے کا مجاز نہ ہوگا ۔

مزید برآں یہ بھی ان کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ اور ان کے خلفاء کا طریق کار ہمارے لئے صرف قانونی نظائر کی حیثیت رکھتا ہے اور جسطرح ہائیکورٹ کے فیصلے کسی کو قانون کی نئی تشریح کرنے سے مانع نہیں ہوتے اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی حدیث قانون ساز اسمبلی کو نئے فیصلے دینے سے نہیں روک سکتی - مرکز ملت یا اسمبلی چاہے تو حضور ﷺ کی حدیث کو قبول کرے اور چاہے تو اسکو مسترد کردے - غرض حدیث کے متعلق ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مجموعی طور پر حدیث کو تاریخی حیثیت سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ حاصل نہیں - اسلئے حدیث کو پیش آمدہ معاملات میں فیصلہ کیلئے بطور حجت پیش نہیں کیا جا سکتا - اسکی پابندی کرنا یا نہ کرنا تو خارج از بحث ہے -

وہ لوگ جو مذکورہ بالا عقائد رکھتے ہیں اور ایسے عقائد کی اشاعت پر زور دے رہے ہیں ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں — تمنا صاحب ، اسلم صاحب اور پرویز صاحب -

مذکورہ بالا عقائد کے علاوہ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے قرآنی حکومت کو متشکل فرمایا تو حضور کے سامنے صرف عربوں کی قوم تھی اور اسی قوم کو مدنظر رکھتے ہوئے حضور نے قوانین مرتب کئے تھے لہذا ان قوانین کو عمومیت کا رنگ نہیں دیا جا سکتا - پرویز صاحب نے اپنے اس خیال

کی تائید میں اپنے پیر و مرشد علامہ اقبال کی تحریر پیش کی ہے -
علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان کی اپنی قوم کے عادات و خصائل تھے اور ان ہی کو ملحوظ رکھتے ہوئے حضور نے قرآن کے اصولوں کی تفسیر فرمائی تھی اور اپنے زمانہ ہی کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے قرآنی اصولوں کی تفصیلات کو مرتب فرمایا تھا اور یہی احادیث کا مفہوم ہے - یعنی حضور کے نظریات تو وسیع تھے لیکن عمل میں اپنے ماحول سے اوپر پرواز کرنا ان کے لئے ناممکن تھا - اسلئے آج اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ فلاں حدیث یقینی طور پر صحیح ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانہ میں اسطرح عمل کیا تھا لیکن بعد میں کسی وقت اگر مرکز ملت یہ سمجھے کہ اس حدیث میں رد و بدل کی ضرورت ہے تو اس میں وہ رد و بدل کر سکیگا اور اسے حق ہوگا کہ وہ قرآنی اصولوں کی بنا پر ضروری جزئیات خود مرتب کرے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ کی ضروریات کے پیش نظر ان اصولوں کی جزئیات مرتب فرمائی تھیں -

یہ خیالات بالبداہت غیر معقول ہیں اور تعلیمات قرآنیہ اور دنیائے اسلام کے مسلمہ عقائد کے مخالف ہیں- منکرین حدیث یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ چودہ سو سال سے مسلمانوں کے دلوں میں جو عشق رسول کریم ﷺ کے متعلق اور حضور کے ارشادات کے متعلق متمکن ہو

چکا ہے وہ بے بنیاد ہے اور اسلام کی وہ حقیقت جو آئمہ محدثین نے سمجھی تھی اور جنہوں نے بخاری و مسلم و ابن ماجہ و ابوداؤد و ترمذی و مؤطا و نسائی ایسی بے نظیر کتابیں نہایت محنت و مشقت اور اخلاص کے ساتھ تیار کرکے دین کی ترویج کی تھی ان کی وہ ساری کی ساری محنت عبث ہے اور ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد بن حنبل کی تمام عمر کی محنت محض بیکار ہے۔ اور ان کے علم و فضل اور تقوی کی قطعاً کوئی قدر و منزلت باقی نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے وہ عظیم الشان تفاسیر جن کی وجہ سے قران کریم کے معانی و معارف اسلامی دنیا پر روشن ہوئے وہ سب ناقابل اعتماد ہیں کیونکہ ان کی بنیاد بھی علم حدیث پر ہے۔ اور وہ شروح جو جلیل القدر علماء نے کتب احادیث کے معانی واضح کرنے کے لئے لکھی تھیں وہ قابل اعتنا نہیں ہیں۔ نیز یہ کہ مصر نے جو صدیوں سے اسلامی کتب کی اشاعت پر کمر باندھ رکھی ہے وہ بے سود کام ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خیالات جہاں نہایت ہی کمزور اور غیر معقول ہیں وہاں نہایت ہی ضرر رساں اور نہایت ہی دل آزار بھی ہیں۔ یہ لوگ اس دین کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کوشش کر رہے ہیں جو دین کہ حضور رسول کریم ﷺ تمام انسانیت کے لئے لائے تھے اور جو اپنی مروجہ صورت میں دنیا کی بھلائی

اور بہبودی کا باعث ہوا اور اسی سے حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ثابت ہوئے کہ ان کی ان تعلیمات کی بدولت اسلامی دنیا کے ہر ایک ملک میں علماء و فضلا کے علاوہ اولیاء کرام پیدا ہوئے جن کے روحانی کمالات سے مسلمان متمتع ہوتے رہے ہیں۔ بالفاظ دیگر حضور نبی کریم ﷺ کا باغ ہمیشہ ہرا بھرا رہا ہے اور ہر آن پھل دیتا رہا ہے۔ اس مستحکم بنیاد پر اسلام کی جو عمارت کھڑی ہے وہ بچوں کی ہوائی بندوق سے گرائی نہیں جا سکتی اور وہ نور اور وہ

سراجاً و قمراً منیراً

جس نے مسلمانوں کے قلوب کو منور کر رکھا ہے وہ منہ کی پھونکوں سے بجھایا نہیں جا سکتا۔

یہ لوگ قرآن کریم کی واضح تعلیمات کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں۔ قرآن کریم حضور نبی کریم ﷺ کے حالات کا مطالعہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے :—

وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

خدا تو حضور کی سرگزشت کو بطور حجت پیش کرتا ہے اور یہ لوگ اس سرگزشت یعنی حدیث کے منکر ہیں۔

ع بہ بین تفاوت راہ از کجاست تا بہ کجا

قرآن کریم نے حضور ﷺ کو بطور اسوۂ حسنہ بیان فرمایا

ہے اور مسلمانوں کو حضور کی عملی زندگی کی تقلید کرنے کا حکم دے رکھا ہے۔ وہ اسوۂ حسنہ حدیث کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم نے حضور ﷺ کو عَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مقام دیکر ان کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور حضور کا خلق عظیم بھی سوائے کتب حدیث کے اور کہیں نہیں مل سکتا۔ لیکن یہ لوگ ہیں کہ قرآن کریم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے حدیث کا انکار کرتے ہیں۔

الغرض اس کتاب کی تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ منکرین حدیث کے ان ضرر رساں اور دل آزار خیالات کی تردید کیجائے اور ظاہر کیا جائے کہ اس قسم کے خیالات قرآن کریم کی واضح تعلیمات کے خلاف ہیں۔

اس تصنیف کا یہ بھی مقصد ہے کہ واضح کیا جائے کہ

أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ

کی آیت کریمہ میں اولوا الامر کی اطاعت کو مشروط اطاعت کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔ اور أَطِيعُوا اللّٰهَ کی اطاعت غیر مشروط ہے۔ اور اسی طرح سے اطیعوا الرسول کی اطاعت بھی غیر مشروط ہے۔ مسلمانوں پر اولوا الامر کی اطاعت کرنا واجب ہے لیکن وہ اولوا الامر مسلمانوں کے سامنے جواب دہ ہیں اور مسلمان ان سے تنازع کر سکتے ہیں

اور اس تنازع کا فیصلہ اللہ اور اسکے رسول کی تعلیمات کی روشنی میں ہوگا - بلکہ تنازع سے بڑھکر جمہور مسلمان اولوا الامر کی اصلاح کر سکتے ہیں اور اولوا الامر کو ان کے عہدہ سے سبکدوش کر سکتے ہیں -

مسلمان اپنے اولوا الامر کی اطاعت کو کبھی خدا اور رسول کی اطاعت کا مقام نہیں دے سکتے - برخلاف اسکے

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

کی راہنمائی میں مسلمان اپنے حکام کا احتساب کرتے ہوئے ان کی غلطی کو ان کے منہ پر بیان کر سکتے اور انکی اصلاح کر سکتے ہیں - اور وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ حکام کی اطاعت کو وہ درجہ دیدیا جائے جو حضرت خیرالانام معصوم عن الخطا کی اطاعت کا درجہ ہے -

مختصر یہ کہ یہ تصنیف مذکورہ بالا غیر معقول اور ضرر رساں اور دل آزاد خیالات باطلہ و فاسدہ کے تمام پہلوؤں پر بحث کرتی اور ثابت کرتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات و احادیث کی تعظیم وتوقیر کرنا عین منشاء الٰہی ہے اور ایسا کرنا تعلیمات قرآنیہ کا اور دین اسلام کا جزواعظم ہے -

و باللہ التوفیق

احمدیہ بلڈنگس
۱۱- اگست ۱۹۵۵ء

خاکسار
صدر الدین

ضرورت حدیث

حضرت نبی کریم ﷺ کی سرگزشت کا مطالعہ کرنے کے بارہ میں حکم الٰہی

دور حاضر میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو حدیث کا ماننا تو درکنار حدیث کو رد کرتے ہیں اور ایسا کرنا ان کے نزدیک تعلیمات قرآن کے منافی نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن کریم لوگوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی سرگذشت کا مطالعہ کرنے اور اس پر غور کرنے کا حکم دیتا ہے اور حضور علیہ‌الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کرنا فرض قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا :-

وَ لَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

یعنی میں تمہارے درمیان عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال گزار چکا ہوں۔ اگر تم میری اس سرگذشت پر غور کروگے تو تمہیں میرے دعویٰ نبوت و رسالت کے بر حق ہونے کا یقین آ جائے گا۔ اور فرمایا :-

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

یعنی خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔

قوم اسی شخص کی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہے جس کو بے غرض یقین کرتی ہو اور جس کو محب وطن اور بہی خواہ خلائق یقین کرتی ہو ۔ فطرت انسانی کے اس جذبہ کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے تا کہ لوگ ان کے اخلاق فاضلہ اور بے غرضانہ خدمات کی وجہ سے ان کی اطاعت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں کیونکہ اس کے بغیر رسالت کی غرض و غایت پوری نہیں ہو سکتی ۔

ذیل کی آیۃ کریمہ رسول کریم کی اس سرگذشت کے چند پہلو نمایاں طور پر پیش کرتی ہے :-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ (۹ : ۱۲۸)

اس آیت میں چند ایک الفاظ قابل غور ہیں۔ ان میں سے ایک مِنْ أَنفُسِكُمْ ہے یعنی رسول کریم کسی غیر قوم یا غیر وطن کے انسان نہیں جس پر پورا اعتماد نہ کیا جا سکتا ہو ۔ بلکہ یہ شخص وہ ہے جس کے حسب نسب سے تم اچھی طرح واقف ہو اور جس کی ذاتی امانت و دیانت کا ملک بھر میں شہرہ ہے ۔ دوسرے فرمایا :-

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

قوم کے افراد کو تکلیف ہو تو وہ مضطرب ہو جاتے اور تکلیف کو

دور کئے بغیر ان کو چین نہیں پڑتا۔ اسی طرح وہ یتامیٰ و مساکین و بیوگان کی تکلیف دور کرنے اور ان کو آرام پہنچانے کے لئے ہر طرح جد و جہد کرتے تھے۔ غرض ہر وہ شخص جو مصیبت میں مبتلا ہو اس کے لئے حضور ملجاء و ماویٰ تھے۔ تیسرے فرمایا :—

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ

یعنی ان کے دل میں یہی ایک جذبہ ہے کہ قوم کے حالات اچھے ہو جائیں اور وہ زیادہ سے زیادہ ترقی کریں اور ان کے نظریات اور اعمال میں بلندی اور اخلاص پیدا ہو جائے۔ آخر پر فرمایا :—

وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ

جو لوگ اس کے متبع ہو جاتے ہیں ان کے لئے ان کے قلب میں رافت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ اُن کے لئے سراپا رحمت بن جاتے ہیں۔

یہ سرگذشت اپنے اندر ایک جذب اور دلربائی رکھتی ہے اور قوم کے اندر والہانہ عشق پیدا کر سکتی ہے اور اسی سے قوم کے اندر اخلاص بھری اطاعت کا مادہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور جب تک قوم میں مخلصانہ فرمانبرداری کا جذبہ پیدا نہ ہو اُس وقت تک رسالت کی غرض و غایت پوری نہیں ہو سکتی۔

حضور کی ذاتی صفات محمودہ اپنے اندر مقناطیسی جذب رکھتی ہیں

قوم کا کامل طور پر اطاعت کے لئے تیار ہو جانا ایک تربیت چاہتا

ہے ۔ صرف یہ اعلان کر دینا کہ فلاں شخص رسول خدا ہے اور خاتم النبیین ہے اس کی اطاعت کرو اپنے اندر وہ کشش نہیں رکھتا جو اس مدعیٔ رسالت کی ذاتی صفات محمودہ کا بیان مقناطیسی جذب رکھتا ہے ۔ اس حقیقی جذب سے حقیقی اطاعت پیدا ہوتی ہے جو متبعین کو جان و مال کے قربان کر دینے پر آمادہ کر دیتی ہے ۔ سینکڑوں صحابہ نے جو شمع محمدی ﷺ کے پروانے تھے حضور کی خاطر لذت کے ساتھ جان قربان کر دی ۔ جب ابوسفیان نے خبیب کو مقتل میں لے جا کر یہ کہا کہ کیا آپ یہ بات پسند نہ کروگے کہ آپ کی جگہ محمد (ﷺ) ہوں اور ہم ان کا سر کاٹ دیں اور آپ اس وقت آرام سے اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے ہوں ۔ اس پر خبیب نے کہا ” آپ کیا کہتے ہیں حضور میری جگہ قتل کر دئے جائیں ! خدا کی قسم حضور کو اگر گھر بیٹھے ہوئے کانٹا چبھ جائے تو ان کی خدمت میں پہنچ کر جب تک ان کی تکلیف کو دور نہ کرلوں میرے دل میں چین نہ آئے “۔

ایک خبیب پر کیا منحصر ہے حضور کے گرد بے شمار ایسے فدائی جمع ہو گئے تھے جو حضور کے اشارے پر جان و مال فدا کر دینے کو تیار رہتے تھے اور اس جذبہ کے پیدا کرنے میں حضور کے ذاتی کمالات اور اخلاق فاضلہ کا بہت بڑا حصہ تھا ۔ ان کمالات اور ان اخلاق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سرگذشت کا مطالعہ کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے یہ اعلان کرایا :-

وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

یہ سرگذشت تو منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے زمانہ کی ہے۔ حضور کے زمانۂ نبوت کی سرگذشت کے مطالعہ کا بھی حکم دیتے ہوئے فرمایا:—

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○ (۶ : ۱۶۳)

اعلان کر دیں ” کہ میرے عہد نبوت کا مطالعہ کر کے دیکھ لو۔ میرا عبادت کرنا، میرا قربانی دینا، میرا مرنا اور میرا جینا اور میری تمام کی تمام زندگی رب العالمین کے احکام کی تعمیل کرنے اور رب العالمین کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لئے وقف ہے“۔

یہ آیۃ کریمہ ہدایت کرتی ہے کہ حضور ﷺ کے عہد رسالت کی ۲۳ سالہ سرگذشت کا بھی اگر مطالعہ کیا جائے تو یقیناً معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کی ساری زندگی مخلصانہ و بے غرضانہ جد و جہد کا نمونہ ہے۔ اور نہایت ہی کامیاب اور روشن اور دلکش زندگی ہے۔ ہم کو اس طرز زندگی کے اختیار کرنے کا حکم ہے۔ ظاہر ہے نبوت سے ما قبل کی زندگی کے حالات اور زمانہ نبوت کی زندگی کے حالات قرآن کے اندر درج نہیں ہیں۔ ان ہر دو زمانہ کی زندگی کے حالات حدیث میں مندرج ہیں۔ پس حدیث کا مطالعہ کرنا تو حکم الہٰی ہے اور اس کو رد کرنا اپنے مولیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔ منکرین حدیث اس پر غور کریں۔

خدا تعالیٰ نے حضور کی زندگی کے حالات کو اس لئے بہت بڑی اہمیت دے رکھی ہے۔ کہ حضور کی مقدس زندگی کا نمونہ قوم کے اندر اطاعت کا رنگ پیدا کرتا ہے۔ اسی لئے زمانۂ ماضی اور پھر زمانۂ حال یعنی زمانۂ نبوت کے حالات پیش کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد ذیل کی آیت میں زمانہ مستقبل کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا :-

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ○ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ○ (۶۸ : ۱—۴)

یعنی قلم و دوات کے ذریعہ سے جس قدر علوم لکھے جائیں گے وہ ثابت کریں گے کہ آپ مجنون نہ تھے۔ مجنون شخص تو نہ اخلاق فاضلہ سے متصف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ کبھی اپنے منصوبوں میں کامیابی کا منہ دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس آئندہ زمانہ بھی آپ کا اخلاق فاضلہ سے متصف ہونا ثابت کرے گا جس طرح ماضی و حال نے کیا اور آپ کی زندگی بار آور ہوگی ایسی بار آور کہ اس کا پھل کبھی منقطع نہ ہوگا۔

فطرت انسانی میں تقلید کا خاصہ رکھا گیا ہے

معلوم ہؤا کہ قرآن کریم کے نزدیک قوم احکام الٰہی کی اطاعت کامل طور پر اسی صورت میں اختیار کر سکتی ہے جس صورت میں کہ

وہ خدا کے رسول کے ذاتی کمالات عالیہ و اخلاق فاضلہ سے متأثر ہو۔
اسی لئے فرمایا :—

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

اس آیت میں خدا تعالیٰ اپنے احکام کی اطاعت بجا لانے کے لئے حضور علیہ‌الصلوٰۃ والسلام کا خوبیوں بھرا دلربا نمونہ پیش کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ جو فطرت انسانی کا خالق ہے وہ خوب جانتا ہے کہ انسان کی جبلت میں تقلید کرنا رکھا گیا ہے اور خدا تعالیٰ اس امر سے بھی واقف ہے کہ انسان نمونہ کا محتاج ہے۔ اس لئے حضور نبی کریم ﷺ کو کامل نمونہ بنایا اور ان کے نمونہ پر چلنے کا حکم دیا۔ ان کا نمونہ ان کے معاملات میں تلاش کرنا ہوگا۔ بے نظیر معاشرت میں نمونہ، لاجواب تمدن میں نمونہ، لین دین میں نمونہ، عدل و انصاف میں نمونہ، جنگ و جدال کے وقت شجاعت میں نمونہ، دشمنوں کے ساتھ مروت بھرے سلوک کا نمونہ، عہد و پیمان اور معاہدات کی ایفا میں بلند پایہ نمونہ، عبادت میں نمونہ، زہد و ورع میں نمونہ، جود و سخا میں نمونہ، بے نفسی و بے لوثی میں نمونہ، مصائب میں صدق و صفا اور استقلال و استقامت کا نمونہ، قضا و قدر کے سامنے پوری تسلیم کا نمونہ، غرض حضور نبی کریم ﷺ ہر رنگ میں اور ہر پہلو سے وہ کامل اور خوبصورت نمونہ ہیں جن کی تقلید کرنا خدا تعالیٰ نہایت ضروری قرار دیتا ہے اور

ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتا ہے - جیسا کہ فرمایا :-

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴ : ۸۰)

حضور کا یہ کامل نمونہ کتب احادیث میں ہی ملے گا - اس لئے کتب احادیث کو بہت بڑی عظمت اور بہت بڑی اہمیت حاصل ہے - ہاں کتب حدیث میں جو امر خدا اور اس کے رسول کی شان کے موافق نہ ہوگا - وہ قابل اعتناء نہ ہوگا - جس طرح خزانہ میں اگر چند کھوٹے سکے نظر آئیں تو ہم انہیں پھینک دیتے ہیں - لیکن یہ کبھی نہیں ہؤا کہ ان کھوٹے سکوں کی وجہ سے کسی نے سارے خزانہ کو ہی پھینک دیا ہو - اسی طرح وہ نورانی اور ایمان افروز احادیث محض اس لئے رد نہیں کی جا سکتیں کہ ان میں کچھ ایسی حدیثیں بھی پائی جاتی ہیں جن کی شان اسوۂ حسنہ سے گری ہوئی نظر آتی ہے -

رسالت ایسے بلند منصب کیلئے باکمال انسان کا انتخاب

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ○ (۶ : ۱۲۵)

خدا تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو اس لئے اپنا سفیر و ایلچی اور رسول مقرر فرمایا کہ وہ خدا کی شان کے شایان رسول تھا - اللہ تعالیٰ نے ان کو اچھی طرح سے دیکھ بھال کر اُن کو رسالت کے منصب پر سرفراز فرمایا تھا - وہ خوب جانتا تھا کہ تبلیغ ایسے مشکل

ترین کام کے لئے نہایت بلند پایہ اخلاق کی ضرورت ھے ۔ اور اس کام کے سر انجام دینے میں پہاڑ کی طرح استقلال اور صبر و استقامت دکھانے کی ضرورت ھے ۔ نیز وسعت قلبی اور لالچ و طمع سے بلند تر رھنے کی بھی ضرورت ھے ۔ مزید برآں مداھنت سے بچ نکلنے اور بے غرضانہ جد و جہد کرنے کی بھی ضرورت ھے ۔ غرض کہ رسالت ایسے مشکل ترین کام کو کامیابی کے ساتھ سر انجام دینے کے لئے ایک با کمال اور با اخلاق شخصیت کی ضرورت تھی اور اس کے لئے کسی انسان کامل ھی کا منتخب کرنا ضروری تھا ۔ یہ اس لئے کہ خدا کی رسالت کا کام کسی فرشتہ یا کسی ریڈیو جیسے آلہ کو آسمان کے کسی حصہ پر نصب کر دینے سے سرانجام نہیں پا سکتا تھا ۔ اس لئے رسالت ایسے اھم منصب کے لئے ایک نہایت ھی با کمال اور نہایت ھی با اخلاق شخصیت کا اصطفا و انتخاب کرنا پڑا اور خدائے قدوس کی یہ نظر انتخاب حضور نبی کریم ﷺ پر پڑی - جیسے فرمایا :-

• اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے

۶/۱۲۴

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انتخاب کی وجہ حضور کے روحانی کمالات کو بیان فرمایا ھے کہ وہ خلق عظیم کے مالک ھیں ۔ حضور کا یہ خلق عظیم ان کے معاملات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ھے ان کی سیرت میں دیکھا جا سکتا ھے ۔ آپ کا وہ خلق عظیم جس کی بناء پر آپ خدا کے مصطفیٰ و مرتضیٰ ھوئے احادیث میں محفوظ ھے ۔ اس لئے احادیث کا مرتبہ بہت

بڑی قدر و منزلت کا حامل ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا :-

اَوَ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَہُمْ

بھلا کیا یہ لوگ اپنے رسول کے کمالات سے ناواقف ہیں ؟ نہیں - یہ رسول ان کے نزدیک اَلْاَمین ہیں اور ہر طرح قابل اعتماد ہیں -

خدا تعالیٰ قوم کو بار بار حضور کے کمالات کی طرف توجہ دلاتا ہے یہ اس لئے کہ قرآن کریم کے نازل کرنے کی غرض اور اس کا مقصد صرف اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ لوگوں کے دلوں میں خدا کے رسول کی عظمت بیٹھی ہوئی ہو - قلوب میں اس عظمت کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہی احکام الٰہیہ کی اطاعت میسر آ سکتی ہے - حضور کا یہ کامل نمونہ اور بلند کردار کتب سیرت میں ملے گا - سیرت و حدیث مترادف ہیں - اس لئے ان کتب کا انکار کرنا تعلیمات قرآنیہ کا انکار ہے -

اطاعت رسول کی اہمیت

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کو بہت بڑی اہمیت دی ہے - خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو مقرون کر دیا ہے - یعنی خدا کی اطاعت اور رسول کریم کی اطاعت کو ایک ساتھ

بیان کیا ہے ۔ یہ رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی اہمیت کو بڑھانے کی غرض سے ہے ۔ کیا اس اہمیت پر زور دینے کا مقصد صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھ دیا کریں تو تم ان کی اطاعت کرلیا کرو اس کے لئے تو صرف اَطِیْعُوا اللہ ہی کافی تھا ۔ اس کے ساتھ اَطِیْعُوا الرَّسُول کے الفاظ کو بڑھا دینا لاحاصل تکرار ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ

اَطِیْعُوا اللہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُولَ

کے الفاظ کو بار بار دھرا کر رسول کریم کی اطاعت کرنا خود خدا کی اطاعت کرنا قرار دیا گیا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا :—

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللہَ

اگر اس کا صرف اتنا ہی مطلب لیا جائے کہ رسول کریم نے نماز و روزہ و زکواۃ و حج کے احکام ارشاد فرمائے اور لوگوں نے ان احکام کی تعمیل کر دی تو اسمیں رسول کی اطاعت کا تو کوئی شائبہ تک نہیں پایا جاتا ۔ یہ تو احکام الہٰی کی اطاعت ہے ۔ اگر رسول کی حیثیت یہی ہے تو خدا تعالیٰ رسول کے انتخاب پر کیوں فخر کرتا ہے اور رسول کو نمونہ کس امر میں قرار دیتا ہے ۔ اس قسم کے فاسد خیالات خدا تعالیٰ کے منشا کے خلاف ہیں اور ایسے خیالات میں حضور نبی کریم کے منصب اور شخصیت دونوں کی تحقیر ہے ۔ جب خدا تعالیٰ حکم

دیتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو تو یقیناً خدا تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ خدا کے احکام کے علاوہ حضور نبی کریم کے احکام کی فرمانبرداری کرنا بھی فرض ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام دونوں نے ان کے معنے یہی سمجھے اور اس پر عمل در آمد کیا۔ مثلاً حضور نے حدیبیہ کے مقام پر مومنین کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ ہم کو مر مٹنے کے لئے آمادہ ہو جانا چاہئے۔ اس پر صحابہ کرام نے حضور کے ارشاد کے مطابق حضور کے دست مبارک پر بیعت علی الموت کی۔ جس سے حضور نبی کریم کا دل باغ باغ ہو گیا۔ صحابہ کی اس اطاعت رسول پر اور اس جانبازی پر خدا بھی خوش ہؤا۔ اور فرمایا :-

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

(۴۸ : ۱۸)

خدا ان مومنین کو اپنی رضا کا سرٹیفیکیٹ دیتا ہے جنہوں نے رسول اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے بیعت علی الموت کی۔ خدا نے رسول کی اس اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اور اس پر اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ یہی معنے ہیں اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے۔

خدا کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا ذکر کرنا حضور نبی کریم کی شخصیت کے اجلال اور حضور کی تکریم و تعظیم قائم

کرنے کی غرض سے ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح خدا کی عبادت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے والدین کی تعظیم و تکریم کی اہمیت بڑھائی ہے

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ○ (۱۷ : ۲۳)

جس طرح خدا کی عبادت کرنا اور والدین کی اطاعت کرنا دو مختلف احکام ہیں اسی طرح خدا کی اطاعت کرنا اور رسول کی اطاعت کرنا دو علیحدہ علیحدہ احکام الٰہی ہیں۔ اس اجلال کی مزید تائید ذیل کے احکام سے ہوتی ہے

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

حضور نبی کریم کی اطاعت کرنے کے ساتھ حضور کی تعظیم و تکریم کو مد نظر رکھنا از بس ضروری ہے۔ یہ نص صریح ہے جس کا رد کرنا قرآن کریم کے رد کرنے کے مترادف ہوگا۔

حضور ایسے با کمال انسان کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت اور کبریائی کو مد نظر رکھ کر کیا

اس نص صریح کے خلاف یہ عقیدہ رکھنا کہ رسول کریم نعوذ باللہ ایک ڈاکیہ کی حیثیت رکھتے ہیں مستلزم کفر ہوگا۔ جب ڈاکیہ یا اردلی کوئی مراسلہ یا کوئی حکم لے کر آتا ہے تو اس ڈاکیہ یا اردلی

کا اکرام ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ وہ مراسلہ یا حکم جو پہنچایا جاتا ہے قابل احترام و قابل توجہ ہوتا ہے - لیکن جب کوئی بادشاہ کسی دوسرے ملک کے لئے اپنا سفیر مقرر کرتا ہے تو وہ اپنی حیثیت اور اس ملک کی حیثیت کو مد نظر رکھکر سفیر کا انتخاب کرتا ہے - ہمارے سامنے کی بات ہے کہ انگلستان نے کینیڈا کے لئے لارڈ ویلنگٹن کو سفیر مقرر کیا - یہ لارڈ ویلنگٹن وہ شخصیت ہیں جو ہندوستان کے وائسرائے بھی رہ چکے ہیں اور اسی طرح انگلستان نے ریاستہائے متحدہ کے لئے لارڈ Halifax کو بطور سفیر بھیجا اور لارڈ کی ذاتی عزت اور آسکی لیاقت نے امریکہ کے پریذیڈنٹ کو مجبور کیا کہ ان کی خصوصی اور نمایاں تعظیم و تکریم کرے اور ان کی بات پر کان دھرے -

اسی طرح سے انگلستان کا بادشاہ جب ہندوستان کے لئے اپنا نائب مناب وائسرائے مقرر کرتا تھا تو وہ اپنی حیثیت کو مدنظر رکھ کر ہندوستان کی وسیع سلطنت اور اسکے سیاسیات کے مشکل پہلوؤں کو مد نظر رکھکر ایسے شخص کا انتخاب کرتا تھا جو عظیم المرتبت شخصیت کا مالک ہو اور جو قابلیت بھی رکھتا ہو - ورنہ وائسرائے مقرر کرنے کا مقصد فوت ہو جاتا ہے - یہ تو دنیا کے بادشاہوں کی دانشمندی کے تقاضے ہیں لیکن وہ حقیقی بادشاہ جسکی سلطنت اور جسکی بادشاہت اور حکومت اس ساری کائنات پر ہے وہ کس قسم کا سفیر یا رسول منتخب کریگا - اور آیا اس رسول کو کسی ایک خطۂ زمین اور کسی ایک

قوم کے لئے مبعوث کیا جائیگا - یا ساری اقوام کے لئے - اگر وہ رسول لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً کے منصب پر مقرر کیا گیا ہے تو اس کے کام کی نزاکتیں اور مشکلات بہت ہونگی - وہ کوئی نہایت عظیم المرتبت شخصیت ہوگی جسکے دل کی وسعت اسقدر ہو کہ وہ ساری دنیا کے تعصبات اور تنازعات کو مٹا سکتا ہو اور ان کے اندر کامل اتحاد اور کامل اخوت پیدا کر سکتا ہو - اب ایسے عظیم المرتبت رسول کو جسے خدا تعالیٰ علیٰ خلق عظیم کا سرٹیفیکیٹ دیتا ہو اور جسے تمام نسل انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیتا ہو اور جسکی نسبت یہ آیت

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ ○ (۸ : ۲۴)

نازل کر کے لوگوں کو یقین دلاتا ہو کہ محمد رسول اللہ کی اطاعت سے تمہارے اندر نئی اور حقیقی زندگی پیدا ہوگی - اور جس کے ساتھ عشق اور محبت رکھنے سے مسلمان خدا کا محبوب بن جاتا ہو جیسا کہ فرمایا

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ
(۳ : ۳۰)

اور جسکی نسبت یہ کہا ہو

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

اس شخصیت کو ڈاکیہ یا اردلی سے تشبیہ دینا خدا تعالیٰ اور اسکے رسول دونوں کی تکذیب ہے -

حضور ہر وقت رسول کی حیثیت میں

اس ضمن میں ایک اور ضروری بات قابل ذکر ہے - اور وہ یہ کہ وائیسرائے ہند جب تک ہندوستان میں اپنے منصب پر فائز رہتا تھا وہ اس عرصہ میں ہر وقت وائیسرائے ہوتا تھا اور ہر وقت اس کا احترام بطور وائیسرائے کیا جاتا تھا - اس کی تجزی کرکے کبھی اس کو محض انسان اور کبھی اس کو گورنر جنرل سمجھنا ناواجب ہوتا ہے - اور آج تک کبھی کسی شخص نے وائیسرائے کو مختلف ہیثیتوں میں تقسیم کرنے کی جرأت نہیں کی کیونکہ یہ انتہا درجے کی گستاخی اور بے ادبی کی بات ہے - لیکن خدا کے رسول کی عظمت و تعظیم تو وائیسرائے سے بہت زیادہ ہے - ان کے لئے مختلف حیثیتیں قائم کرنا پرلے درجے کی گستاخی ہے اور اس قسم کی سعی نہایت درجے نقصان رساں ہے - کبھی ان کو رسول خدا اور کبھی ان کو امام اور کبھی ان کو امیر اور کبھی ان کو صدر ملت اور کبھی انسان محض قرار دینا بالکل باطل اور غیر معقول اور بے حد مضر ہے اور خدا کے منشاء کے بالکل بر خلاف ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے ان کے حق میں

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

فرمایا ہے - اور انہیں مقام محمود پر کھڑا کیا ہے - اور خدا تعالیٰ نے ہر فرد اُمۃ کی زبان پر

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جاری کیا ہے۔ اور ہر شہر اور ہر قصبہ میں جہاں مسلمان بستے ہیں پانچ وقت اذان میں خدا کے ساتھ ان کا ذکر بلند کیا ہے اور خدا نے اپنی عبادت میں تمام مسلمانوں کو ان پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ اور خدا اور اس کے فرشتے بھی اس مقدس و مطہر اور عظیم الشان شخصیت پر درود بھیجتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○ (۳۳ : ۵۶)

ایسی عظیم المرتبت شخصیت کے متعلق کسی قسم کی تحقیر برداشت نہیں کی جا سکتی۔

حضور کے بیان کردہ مطالب قرآن تمام مفسرین کی تفاسیر پر ترجیح رکھتے ہیں

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت رسول کریم ﷺ کی اس عظمت کی طرف اشارہ کیا جو حضور کی نسبت قوم کے دلوں میں جاگزیں تھی۔ اس عظمت کا ذکر قرآن کریم نے ایک اور رنگ میں دہرایا ہے۔ فرمایا :-

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ○ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ○
مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ○ (۸۱ : ۱۹—۲۱)

یعنی یہ کلام اس عظیم‌الشان معزز ترین رسول کا ہے جس کے قلب میں ہر طرح کی قوت ہے۔ یعنی جن کے علم و نظریات مضبوطی کے حامل ہیں اور جو اس بادشاہ کے نزدیک صاحب قدر و منزلت ہے جس کی حکومت ساری کائنات پر ہے اور یہ رسول وہاں کا مقرر کردہ مطاع ہے اور وہ جیسا کہ اپنے اہل وطن کے نزدیک اَلْاَمِیْن ہے ویسا ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک امین ہے۔ ثم ظرف ہے۔ یعنی

عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ وَالمعنیٰ اِنَّہٗ عِنْدَاللّٰہِ مُطَاعٌ

ان کو خدا نے مطاع کر کے بھیجا ہے۔ یعنی خدا کے نزدیک حضور بلند پایہ عظمت و منزلت کے مالک ہیں۔ اس لئے ان کو مطاع کر کے بھیجا گیا ہے۔ چاہئے کہ ان کی اطاعت ان کے بھیجنے والے کی کبریائی کو مد نظر رکھ کر کی جائے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیحد تعریف کی ہے۔ فرمایا وہ کریم‌النفس و کریم‌الاخلاق و صاحب عطایا ہیں۔ اور ان کی سب سے بڑی عطا یہ ہے کہ قوم کو خدا کی معرفت عطا کرتے اور قوم کے اخلاق کو کمال تک پہنچانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ اور وہ ذِیْ قُوَّۃ ہیں۔ یعنی ان کا قلب اور ان کا جگر مضبوط ہے اور ان کے اُصول حکمت پر مبنی ہونے کے باعث مضبوط ہیں۔ وہ بصیرت تام کے مالک ہیں اور صاحب عرش یعنی بادشاہ حقیقی کی جناب میں مکین

ھیں یعنی خدا کے حضور صاحب قدر و منزلت و صاحب عظمت ھیں وھاں کے مقرر کردہ مطاع ھیں اور الامین ھیں یعنی ان کی صفات اھل زمین اور اھل سماء دونوں کے نزدیک نہایت ھی اعلیٰ و اشرف ھیں۔ اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے حضور نے فرمایا :-

اَنَا اَمِیْنٌ فِی السَّمَآءِ وَ اَمِیْنٌ فِی الْاَرْضِ

جس شخص کا یہ ایمان ھو کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ھے اس کا یہ طریق نہ ھونا چاھئیے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کی شان میں ایسے کلمات استعمال کرے۔ جن میں استخفاف پایا جاتا ھو۔ ایسا شخص خود خدا تعالیٰ کے خلاف بغاوت کا جھنڈا کھڑا کرتا ھے کیونکہ خدا نے حضرت کو مطاع کہا ھے اور ایسا مطاع جس کی اطاعت کرنا خدا کی اطاعت کرنا قرار دیا گیا ھے :-

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ

یعنی حضرت نبی کریم ﷺ کی اطاعت خود خدا کی اطاعت ھوگی۔ نیز فرمایا۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ○

(۷۱ : ۳۳)

"اور جو میری اور میرے رسول کی اطاعت کرے گا وہ فائزالمرام ھوگا"۔

اور فرمایا :-

اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ

یعنی خدا پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ ۔ اس سے عیاں ہے کہ رسول پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا نہایت ہی اہم فرائض دینیہ میں سے ہے ۔

اب حضور کی اس شان کے پیش نظر جب آپ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ ایسے الہی حکم کے ماتحت قرآن کریم کی تعلیم دیتے ہوئے اس کی توضیح و تفسیر بیان فرمائیں گے تو آپ کے صاحب قرآن ہونے اور علم لدنی سے مؤید اور مقالمہ الہیہ سے مشرف ہونے کی وجہ سے حضور کی بیان کردہ تفسیر سب سے زیادہ اصح اور قابل اعتبار ہوگی ۔ یہ تفسیر و توضیح کتب سیر و کتب حدیث و کتب تاریخ میں ہی ملیگی ۔ قرآن کریم کی یہ تفسیر و توضیح یقیناً دوسرے مفسرین کی بیان کردہ تفسیر سے کہیں زیادہ قابل اعتبار اور کہیں زیادہ قابل قدر ہوگی ۔ حضور کی فرمودہ تفسیر کو رد کرنے والا خدا کے ان تمام احکامات کو جو ابھی بیان کئے گئے ہیں رد کرتا ہے ۔

اس مضمون کی ایک اور آیت سے بھی تائید ہوتی ہے ۔ فرمایا :—

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ . . . . . . ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى ○ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ○ (۵۳ : ۳—۹)

محمد رسول اللہ ﷺ اپنی نفسانی خواہش سے کلام نہیں کرتے بلکہ

ان پر اس خدا کی تعلیم کا اثر ہے جو شدید القویٰ ہے۔ ایسے خدا کے تعلیم دینے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نہایت مضبوط نظریات پر قائم ہیں اور ان نظریات پر عمل پیرا ہو کر خود صاحب کمال ہو گئے ہیں۔ ثُمَّ دَنٰی۔ ان کمالات کی ہی وجہ سے ان کو قرب الٰہی حاصل ہوا ہے۔ اور وہ قرب الٰہی میں اس حد تک ترقی کر گئے ہیں کہ اس کو انسان کی بولی میں قَابَ قَوْسَیْن سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

قَابَ قَوْسَیْن کے معنی سمجھنے کے لئے زمانۂ جاہلیت کی تاریخ کا دیکھنا اور ان لوگوں کی روایات کا پتہ لگانا ضروری ہے۔ قرآن کریم کے سمجھنے کے لئے کتب تاریخ یا کتب سیر یا کتب احادیث کا جاننا از بس ضروری ہے۔ قَابَ قَوْسَیْن کی حقیقت ان کتب کی رو سے یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو جنگ و جدل کے لئے مشہور ہے جب قبائل کو ان کے باہمی جنگ و جدل کے حالات مجبور کر دیتے تھے کہ وہ اپنی مضبوطی کی خاطر کسی دوسرے قبیلہ کو حلیف بنائیں تو ان قبیلوں کے سردار اپنے اس معاہدے کی تشہیر کے لئے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرتے اور اس مجمع کے سامنے دونوں سردار اپنی کمانوں کو ایک دوسرے کی کمان پر رکھکر دونوں کمانوں سے مشترکہ طور پر ایک تیر ہوا میں چھوڑ دیتے تھے جس سے ان کو اپنی دوستی کا اعلان کرنا مقصود ہوتا تھا اور اس

بات کا اعلان بھی کہ جو شخص ہم میں سے ایک کا دوست ہے وہ دوسرے کا بھی دوست ہے اور جو شخص ہم میں سے ایک کا دشمن ہے وہ دوسرے کا بھی دشمن سمجھا جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے اس روایت کے پیش نظر قَابَ قَوْسَيْنِ کے الفاظ میں یہ اعلان کیا کہ میں نے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اپنی کمان کو ایک دوسرے پر رکھکر دونوں کمانوں سے ایک مشترکہ تیر پھینک دیا ہے اور میرا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی رکھے گا میں بھی اس کے ساتھ دوستی رکھوں گا اور اپنی عنایات کا اسے مورد بناؤں گا اور جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھے گا وہ میرا دشمن ہوگا اس پر میرا غضب اترے گا اور اسے برباد کر دیا جائے گا۔

اس بیان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اس کائنات کے حقیقی بادشاہ کے معاہد ہیں۔ ان کی تعظیم و تکریم کرنا اور ان کے ساتھ وفا کرنا اور محبت رکھنا اور ان کے معاملات میں غیرت کے ساتھ مخلصانہ تعاون کرنا ہمارا نہایت ہی اہم فریضہ ہے اور دل کے کسی گوشہ میں ان کے کسی حکم کا استخفاف پایا جانا موجب غضب الٰہی ہوگا جس کا نتیجہ بربادی و نامرادی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ منکرین حدیث اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔

حضور کی عظمت کو دلوں میں بٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے

ایک اور حکم دیا ھے۔ فرمایا :—

وَ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ

حضور سے پورا پورا تعاون کرو اور ان کے قوت بازو بنو اور تُوَقِّرُوْہُ، ان کی توقیر کرو۔ یہ تو خدا کا حکم ھے جو قرآن کریم میں درج ھے۔ لیکن اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام نے جو عشق حضور سے کر دکھایا اس کا نقشہ کس جگہ ملیگا ؟ وہ کتب سیئر یا کتب احادیث ھی میں ملیگا۔

ان کتب میں دشمنان اسلام کی زبان سے بھی بعض گواھیاں مندرج ھیں۔ ان میں سے ایک ابوسفیان کا اعتراف ھے۔ ابوسفیان اشد ترین دشمن رسول تھا وہ کہتا ھے

" جتنی محبت بھری تعظیم و تکریم حضور ﷺ کے متبعین حضور ﷺ کی کرتے ھیں، میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی دوسری شخصیت کو اس قسم کی تعظیم و تکریم نصیب ھوئی ھو "۔

عروہ بھی سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ وہ بھی کہتا ھے کہ

" میں نے شام و ایران کے دربار دیکھے اور محمد رسول اللہ ﷺ کی مجلس بھی دیکھی۔ لیکن وہ حقیقی تعظیم و تکریم کا نقشہ جس کا مشاھدہ محمد رسول اللہ ﷺ کے جاں نثاروں کے عمل میں پایا جاتا ھے وہ مظاھرہ ان سلطنتوں کے شاھنشاھوں کے درباروں میں بھی دیکھنے میں نہ آیا "۔

غرضکہ تُعَزِّرُوْہُ وَ تُوَقِّرُوْہُ کے حکم کی تعمیل صحابہ کرام نے عملاً کر کے دکھائی۔ اس کا ذکر کرنا دلوں پر اثر کرتا ہے۔ یہ اس لئے کہ عمل کا اثر گہرا ہوتا ہے۔

حضور کے حکم کی تعمیل پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا اظہار

مندرجہ بالا بیان سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو بہت اہمیت حاصل ہے اور صحابہ کرام اس اہمیت کے پیش نظر حضور نبی کریم ﷺ کے ہر حکم کی اخلاص کے ساتھ تعمیل کرنا اہم فریضہ یقین کرتے تھے۔ حضور کے ایک حکم کی تعمیل کا نقشہ خدا نے بیان کیا ہے اور وہ اس طرح پر ہے۔ فرمایا :۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

”خدا ان مومنین پر راضی ہو گیا جنھوں نے ایک درخت کی چھاؤں تلے حضور کے ہاتھ پر عہد باندھا تھا“۔ پھر فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

یعنی ہم اس عہد کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ گویا وہ عہد ہماری ذات کے ساتھ باندھا گیا تھا۔

اس بیعت کے کرنے کا حکم خدا نے نہیں دیا تھا بلکہ حدیبیہ کے میدان میں نازک حالات پیدا ہونے کے باعث حضور نے خود ہی اعلان

فرمایا کہ ہم موت پر بیعت لینگے ۔ صحابہ کرام پروانہ وار موت پر بیعت کرنے کے لئے لپکے اور شمع محمدی کے گرد جمع ہو گئے ۔ یہ روح افزا نظارہ خود خدا کو بھی پسند آیا ۔ خدا نے کہا ان لوگوں نے حضور کی فرمانبرداری کرکے میری رضا حاصل کر لی ہے ۔

یَدُاللهِ فَوقَ اَیدِیهِم

یہاں رسول اللہ کے ھاتھ کو جس پر کہ صحابہ نے بیعت کی اللہ تعالی نے اپنا ھاتھ قرار دیا ہے ۔ اس آیت میں ایک ایسے واقعہ کا ذکر ہے جو ارشاد نبوی ﷺ کی تعمیل میں رونما ھؤا ۔ ورنہ اس خاص بیعت کے لئے خدا کا کوئی حکم قرآن کریم میں درج نہیں ہے ۔ اس سے معلوم ھؤا کہ حضور نبی کریم بھی احکام جاری کیا کرتے تھے اور ان کی تعمیل کی جاتی تھی اور وہ تعمیل موجب حصول رضائے الٰہی ھوتی تھی ۔

مختلف جنگوں میں حالات کے ماتحت حضور ﷺ نے احکام جاری کئے اور صحابہ نے ان احکام کی پوری پوری تعمیل کی ۔ رسول کریم ﷺ میدان جنگ میں حالات پیش آمدہ کے مد نظر اپنے فہم و ذکاء اور عقل و فراست کو کام میں لا کر موقعہ کے مناسب حال حکم صادر فرماتے تھے ۔ اس حکم کی تعمیل کرنا ھر مسلمان پر فرض تھا ۔ حدیبیہ کے متعلق تمام واقعات بیعت رضوان کا پس منظر ھیں ۔ اللہ تعالی اس پس منظر کا ذکر نہیں کرتا جس کی بنا پر بیعت رضوان وقوع میں آئی کیونکہ وہ تو رسول کو اور ان کے ساتھیوں کو معلوم ہے ۔

ھاں اس کا حال آج کسی کتاب میں پڑھ لینا یقیناً مفید ھوگا اس کتاب کا نام حدیث ھے .. پس کتب حدیث قرآن کریم کے اھم مقامات کی تشریح و توضیح کا مواد ھونے کی وجہ سے اسلامی لٹریچر کا نہایت ھی قیمتی حصہ ٹھہرتی ھیں ۔ منکرین حدیث کو چاھئے کہ اس پر غور کریں ۔

اسوۂ حسنہ کی تفصیلات ــ حدیث میں

صلح حدیبیہ کے دو ایک پہلو کتب حدیث سے درج کرنا مفید ھوگا اور اس سے معلوم ھوگا کہ کتب حدیث کیسے کیسے قیمتی حقائق کا ذخیرہ ھیں ۔ معاھدہ میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے اور وہ رسول کریم ﷺ کے پاس پناہ گزین ھو تو اس کو واپس کرنا ھوگا ۔ خدا کی شان اس معاھدہ کی سیاھی ابھی خشک نہ ھونے پائی تھی کہ ایک مسلمان ابو جندل نامی مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں میں آ ملا اور مسلمانوں کے سامنے اپنے جور و ستم کی کہانی سنائی اور اپنی مجروح پیٹھ ننگی کر کے دکھائی ۔ ابوجندل کی دردانگیز کہانی سن کر اور اس کا مجروح جسم دیکھکر مسلمانوں کا خون اُبلنے لگا اور وہ اس بات پر تل گئے کہ ابو جندل کو واپس نہیں کیا جائے گا ۔ ابوجندل کا باپ سہیل حدیبیہ کے مقام پر حضور کی مخالفت کرنے میں سب سے پیش پیش تھا ۔ اس کے باپ سہیل نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا اور معاھدہ کی طرف توجہ دلائی ۔ اس پر حضور

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایفائے عہد کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ابو جندل کو واپس کر دیا جائے اور ابو جندل کو بھی فرمایا کہ تم صبر سے کام لو خدا تم سے راضی ہوگا اور تمہارے لئے اپنی جناب سے مخلصی کا راستہ نکالیگا۔ حضور نے ایسے نازک موقعہ پر ایک نقصان برداشت کر لیا اور قوم کے جذبات سے بالکل متأثر نہ ہوئے بلکہ اپنی قوم کی دل شکنی کی اور یوں پابندیٔ عہد کے نہایت ھی شاندار اور مشکل ترین نمونہ کا مظاھرہ کیا ۔ آخر مسلمانوں نے خون کے آنسو بہاتے ہوئے بادل نا خواستہ ابو جندل کو کفار کے حوالہ کر دیا ۔ یہ میدان کار زار کیا تھا ایک درسگاہ تھی جس میں قوم کے اخلاق کی تربیت کی جاتی تھی ۔ اس کے بر عکس آج کی مہذب اقوام تو معاھدہ کی دستاویز کو جس وقت چاھیں چاک کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتی ھیں ۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا یہ اسوۂ حسنہ صرف حدیث ھی میں مل سکتا ھے۔ حضور نے اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ پر عمل کرکے دکھایا ھے ۔ عمل یقیناً بہت موثر ھوتا ھے ۔ حضور کے تمام عملی نمونہ جات کتب حدیث ھی میں مل سکتے ھیں اور وہ قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے بیش بہا سرمایہ ھیں ۔ جس منکر حدیث نے یہ عمل نہیں دیکھا وہ خود کیا عمل کر کے دکھائے گا ۔

صلح حدیبیہ ایک اور عملی نمونہ پیش کرتی ھے ۔ یہ معاھدہ جیسا کہ شرائط سے ظاھر ھے گر کر کیا گیا تھا ۔ اس طرح دب

کر صلح کرنا مسلمانوں کو نہایت ھی نا گوار تھا - چنانچہ انہوں نے حضور کے سامنے نہایت کھلے الفاظ میں اپنے ان جذبات کا اظہار کیا اور بعض صحابہ کرام نے حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ یوں بحث کی کہ جب ھمارا دین سچا ھے اور کفار کا دین باطل ھے اور جبکہ ھمارے ساتھ خدا کے وعدے ھیں - تو

لِمَ نُؤتِ الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا

تو اس صورت میں ایسی صلح کر لینا جو ھمارے لئے ذلت کا موجب ھے ھم کیوں گوارا کریں ؟ حضور نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ مسلمان اطاعت شعاری میں بھی نمونہ ھیں حتیٰ کہ موت پر بیعت کرتے ھیں - اور آزادی میں بھی نمونہ ھیں کہ ھر شخص اپنے دل کی بات کا اظہار نہایت آزادی کے ساتھ کر سکتا ھے - حضور نے قوم کو بھیڑ بکری نہ بنایا تھا - حضور پیر پرستی کی تلقین نہ کرتے تھے اور نہ ھی اپنے آپ کو بت بنانے کی اجازت دیتے تھے - بلکہ حضور نے قوم کے اندر ایک صحیح اعتدال و توازن پیدا کر دیا تھا - چنانچہ ان کے دلوں میں تعظیم و تکریم تھی - ان کے عمل میں مخلصانہ جان نثاری تھی اور اسکے ساتھ ساتھ ان کو وہ فضا میسر تھی جس میں آزادی فکر نشو و نما پاتی تھی -

صلح حدیبیہ کی مہم کے اختتام پر کاروان کیلئے ضروری تھا کہ واپسی کا قصد کرے - اصل میں یہ کاروان تو کعبۃ اللہ کی

زیارت کیلئے نکلا تھا نہ کہ کسی جنگ کیلئے ۔ کفار نے انُ کو حدیبیہ کے مقام پر مکہ کی طرف بڑھنے سے روک دیا تھا ۔ کعبۃ اللہ کی زیارت نصیب نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ مایوس اور رنجیدہ خاطر تھے ۔ یہ کاروان کوئی پندرہ صد اشخاص پر مشتمل تھا اور ان کے ساتھ کثیر تعداد میں قربانی کے اونٹ تھے ۔ وہ جانور تو نذر اور منت کا حکم رکھتے تھے ۔ ان کو بچا کر واپس گھر لیجانا بھی نا مناسب تھا اور کعبۃ اللہ میں پہنچے بغیر انُ کی قربانی کر دینا بھی طبعیت پر گراں تھا ۔ ادھر حضور نبی کریم ﷺ بھی اپنے آپ کو ایک مخمصے میں پاتے ھیں ۔ ایک طرف قوم کے جذبات ھیں ۔ دوسری طرف قربانی کا فریضہ ادا کرنا ھے ۔ ان حالات میں وہ متفکر ھیں کہ جانوروں کے ذبح کردینے کا حکم دیا جائے یا نہ ۔ اسی سوچ و بچار میں حضور ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے اور ام المؤمنین ام سلمہ رضؓ سے اس امر کے متعلق مشورہ کیا اور کہا کہ قوم تو جانوروں کو ذبح کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتی اور مجھے پسند نہیں کہ ان کو ایسا حکم دوں جو ان پر گراں گزرے اور جانوروں کو ذبح بھی ضرور کرنا ھے ۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضؓ نے عرض کیا کہ حضور خود اپنا اونٹ لے کر نکلیں اور ایک کھلے میدان میں لے جا کر قوم کے سامنے اسکو ذبح کر دیں ۔ آپ کے ایسا کرنے پر ساری کی ساری قوم اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو جائیگی ۔ چنانچہ حضور نے

ام سلمہ رض کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے اونٹ کو کھلے میدان میں لے جا کر لوگوں کے سامنے ذبح کیا ۔ حضور کا ایسا کرنا تھا کہ ساری کی ساری قوم اپنے جانوروں کو وہاں لا کر ذبح کرنے میں مصروف ہو گئی ۔

ہمارے لئے اس میں یہ سبق ہے کہ حضور اپنے اہل و عیال کی تکریم کرتے تھے اور ان سے مشورہ لیتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے یہ سبق صرف کتب احادیث سے ہی سیکھے جا سکتے ہیں ۔ جس شخص کو اسوۂ حسنہ کے یہ سبق نصیب نہ ہوں وہ تو بہت قابل رحم ہے ۔

حدیث کے بغیر

قرآن کریم کی بعض آیات کی تفسیر کرنا امر محال ہے

جنگ اُحد اور اس میں بعض قیمتی سبق

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ
وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (۳:۱۲۰)

ترجمہ:۔ ”اور جب تو صبح سویرے اپنے اہل سے نکلا تھا اور مومنین کو مورچوں پر بٹھاتا تھا خدا تمہاری زاری کو سنتا اور تمہاری کمزور حالت سے واقف تھا“۔

خدا تعالیٰ نے اس آیۃ کریمہ میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے اور وہ جنگ اُحد کا واقعہ ہے۔ اس جنگ کے متعلق خدا کا کوئی حکم نہیں ہے۔ ہاں خدا اسکو بطور واقعہ کے بیان فرماتا ہے کہ رسول کریم ﷺ صبح سویرے گھر سے نکلے اور انہوں نے مسلمانوں کو مناسب مورچوں پر بٹھایا۔ وہ کیا حالات تھے جنکی وجہ سے حضور نبی کریم کو اس جنگ کیلئے گھر سے نکلنا پڑا اور وہ کونسا مقام ہے جہاں پر یہ لڑائی واقعہ ہوئی اور اس لڑائی میں کفار کے لشکر کی طاقت کتنی تھی

اور مسلمانوں کی کتنی ؟ اس کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں کیا گیا - ان آیات کے معنے سمجھنے کیلئے اس معرکہ کے پس منظر کا علم حاصل کرنا ضروری ہے - خدا تعالیٰ نے اس پس منظر کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ وہ سب کے علم میں ہے اور وہ علم آج سوائے حدیث کے اور کہیں نہیں مل سکتا - حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جنگ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم سے کفار مکہ سے لڑی گئی تھی اور جسطرح حضور نے اپنے متبعین کو ترتیب دیا اس پر وہ کار بند ہوئے - اور اطیعوا الرسول کے یہی معنی ہیں -

حضور ﷺ والیٔ ملک تھے ان کو ملک میں ضبط و نسق قائم رکھنے کے فرائض کا احساس تھا اور وہ مناسب موقعہ پر مناسب احکام جاری کرتے تھے جنکی تعمیل مسلمان بدل و جان کرتے تھے - ان امور کی تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی - جہاں یہ تفصیل موجود ہو وہاں سے لے لینی چاہیئے - وہ کتب حدیث میں ملتی ہے - جب خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے کہ توراۃ و انجیل کے علماء سے بھی بات پوچھ لینی چاہئیے جیسا کہ فرمایا :-

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اور جب خدا تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے -

فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰاةِ فَاتْلُوْهَا

کہ ضررت پڑے تو توراۃ اور انجیل کی ورق گردانی بھی کر لیا کرو - تو خدا تعالیٰ کسطرح یہ حکم دے سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے اعمال اور رسول کریم کی سرگذشت کے خزینہ کو ھاتھ لگانا منع ہے -

سیرت اور حدیث کی کتب میں جنگ احد کی یہ تفصیلات درج ھیں - یہ تفصیلات یقیناً بصیرت افروز ھیں - ان کو رد کر دینا اپنے لئے محرومی خریدنا ہے - ان تفصیلات کو پس پشت ڈال کر قرآن کریم کی ان آیات کی تشریح و تفسیر کرنا امر محال ہے - ضرور ہے کہ ایسی تشریح و تفسیر دلچسپی اور روشنی سے خالی رہے اور دل کی تسلی کا باعث نہ ھو سکے - بھلا کبھی یہ غیر معقول بات قرآن کریم کی طرف منسوب کیجا سکتی ہے کہ یہ کتاب تاریخی واقعات سے آنکھیں بند کر لینے کا حکم دیتی ہے - ایسی بات اس حکیم کتاب کی طرف منسوب کرنا بہت بڑا ظلم ہے اور انتہا درجہ کی سؤ ادبی اور جسارت ہے -

جنگ اُحد کی تفصیلات ھمارے لئے سبق آموز ھیں - پہلی بات جو نہایت ھی قیمتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور جنگ کرنے سے پیشتر قوم سے مشورہ لیا کرتے تھے - حضور خود جیسا کہ مسلّم ہے نہایت صحیح فہم و دانش کے مالک تھے اور ان پر خدا کی طرف سے وحی اترتی تھی - باوجود ان حالات کے حضور اپنے متبعین

سے مشاورت کیا کرتے تھے۔ اس سے قوم کی تربیت کرنا مقصود تھا اور اس سے قوم کی قدردانی کرنا اور ان کے اندر اعتماد و وفا پیدا کرنا مقصود تھا - اس سے ان کے دلوں میں اس بات کا یقین بٹھانا منظور تھا کہ امور سلطنت کی تدبیر میں تم حصہ‌دار ہو اور ذمہ دار بھی - یہی وجہ ہے کہ وہ اطاعت رسول سے ایک لذت اور سرور حاصل کرتے تھے -

دوسرا سبق یہ ہے کہ رسول کریم کثرت رائے کی اگرچہ وہ ان کی ذاتی رائے کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، قدر کرتے اور اس پر عمل کرتے تھے - چنانچہ اُحد کی جنگ کے متعلق جو مشاورت منعقد ہوئی اس میں فیصلہ حضور کی رائے کے خلاف ہؤا - حضور کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر جنگ کرنی چاہئے لیکن صحابہ اس پر متفق نہ ہوئے اور انہوں نے مدینہ سے باھر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے کہا - فیصلہ ہونے پر حضور نے دھری زرہ بکتر زیب تن کی اور میدان جنگ میں صف آرا ہونے کے لئے لشکر کے ساتھ مدینہ سے باھر نکلے - حضور نے ایک پہاڑی پر ایک مورچہ کو پچاس تیر اندازوں کے سپرد کیا - انکے سردار عبداللہ بن جبیر تھے - غور کیجئے

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

کے معنے بغیر اس تفصیل کے کس طرح سمجھ میں آ سکتے ھیں۔

تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

میں تو حضور کے ایک عمل کی طرف اشارہ ہے۔ نیز یہ بھی لازمی امر ہے کہ جب حضور نے ان پچاس تیر اندازوں کو مورچہ پر متعین فرمایا تھا تو انہیں کچھ ہدایات بھی دی ہونگی۔ اب اس تمام واقعہ کی تفصیل اور تشریح کتب تاریخ یا کتب حدیث کے سوا اور کسی جگہ نہیں مل سکتی۔ وہ شخص جو قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ و عشق اپنے دل میں رکھتا ہے وہ بھلا اس تسکین بخش تفصیل کو کس طرح رد کرنے کی جرأت کر سکتا ہے جو جنگ اُحد پیش کرتی ہے؟

تیسرا سبق یہ ہے کہ جب حضور نبی کریم ﷺ مجروح ہوئے اور حضور کی پیشانی مبارک میں خود کی کڑیاں گڑ گئیں اور حضور کا دانت مبارک شہید ہو گیا اور آپ بیہوش ہو کر گر گئے تو اس موقعہ پر قوم نے جان نثاری کا فقید المثال نمونہ پیش کیا اور حضور ﷺ کی جان کی حفاظت کی خاطر ان کے گردا گرد کھڑے ہو گئے۔ مصعب بن عمیر رض نے حضور ﷺ کو بچانیکی سعی کرتے ہوئے اپنا سر کٹوا لیا۔ طلعہ رضی اللہ عنہ نے اپنا بازو کٹوا لیا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے خود کی کڑی نکالتے نکالتے اپنے دو دانت توڑ لئے۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے تیروں کی طرف اپنی پیٹھ کر دی سعد رضی اللہ عنہ نے تیر اندازی کے جوہر دکھاتے ہوئے دو کمانیں توڑ دیں۔ فاطمہ رض

نے چٹائی جلا کر پیشانی کے زخم کو بند کیا - ان اندوھگین اور دلفگار حالات میں کسی نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ان ظالم دشمنوں کے لئے بد دعا کیجیئےگا - فرمایا

اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا

بلکہ اس کے بر عکس ان کے حق میں یہ دعا کی :—

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

یہ ھے عمل حضور نبی کریم ﷺ کا اسے کہتے ھیں اسوۂ حسنہ ۔ اسوۂ حسنہ عمل میں نظر آتا ھے نہ کہ کسی مقال میں ۔

چوتھا قمیتی سبق جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہ ھے کہ عبداللہ بن جبیر رض اور ان کے زیر کمان پچاس تیر اندازوں کے لئے حضور کا نہایت واضح حکم تھا کہ اس مورچہ کو کسی حالت میں نہ چھوڑنا ھوگا لیکن جب کفار کا لشکر پیٹھ دیکر بھاگا اور اسلامی لشکر نے ان کا تعاقب کرنا شروع کیا تو ان تیر اندازوں نے حضرت کے حکم کے معنے کرنا شروع کر دئے۔ اور کہا کہ جب فتح ھو چکی ھے تو اس صورت میں حضرت کا حکم یہ نہیں ھو سکتا کہ ھم کو یہاں سے ھلنا نہیں چاھئے - صرف عبداللہ بن جبیر رض اور چند تیر انداز وھاں رہ گئے اور باقی سب مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت کے حصول کے لئے دشمن کے تعاقب

میں شریک ھو گئے - خالد جو ابوسفیان کے ساتھ دشمن فوج کا کمانڈر تھا اس نے اس مورچہ کو کمزور پا کر اس پر دو سو سواروں کے ساتھ حملہ بول دیا اور جو سپاھی وھاں باقی رہ گئے تھے ان کو تہ تیغ کر دیا - اور مورچے پر قبضہ کر کے مسلمانوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی - تعاقب کرنیوالے مسلمانوں کو پچھلی طرف مڑنا پڑا - اور کفار جو بھاگ رہے تھے - وہ رکے اور انہوں نے بھی مڑ کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا - مسلمان فوج نے جو دونوں طرف سے زد میں آ گئی - مٹ جانیکے ڈر سے بچاؤ کی تدبیر کرتے ہوئے پسپائی اختیار کی - لیکن رسول کریم اپنی خچر پر سوار وھیں ڈٹے رہے اور بلند آواز سے قوم کو واپس آنیکے لئے بلاتے رہے:-

اِلَیَّ عِبَادَ اللہِ اَنَا رَسُوْلُ اللہِ

اے میری قوم میں رسول اللہ ھوں - میری طرف واپس آؤ -

ان حالات میں دشمن کی فوج رسول اکرم پر پل پڑی اور حضور بری طرح مجروح ھوئے - لیکن بعد میں حضور نے کبھی کسی کو اس قسم کا طعن نہ دیا کہ چونکہ تم نے ھماری رائے کے خلاف کیا تھا اسلئے قوم کے قیمتی اشخاص شہید ھوئے اور خود میں بھی تمہاری نافرمانی کی وجہ سے گھائل ھؤا - کبھی ایسی بات ان کے منہ پر نہیں آئی - نافرمانی کرنیوالے تیر انداز

دستہ کا کورٹ مارشل کرنے کی بجائے ان کو معاف کر دیا اور دل میں بھی ان کے خلاف کوئی بات نہ رکھی۔ اس کو کہتے ہیں شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ کے حکم کی اطاعت کرنا۔

احد کی جنگ میں حضور نبی کریم ﷺ نے انتہا درجے کی شجاعت دکھائی اور مصیبت کو صبر و ہمت کے ساتھ برداشت کر دکھایا اور قوم نے بھی لاجواب جان نثاری کا مظاہرہ کیا۔ اس لڑائی میں حضور نے مشاورت کر کے اپنی رائے کے خلاف کثرت کے فیصلہ پر عمل کر دکھایا۔ میدان کارزار میں اپنے اقربا کو شہید ہوتے دیکھا خود بری طرح زخمی ہوئے لیکن مشاورت میں اپنے خلاف رائے دینے والوں کے حق میں کوئی خفگی کا لفظ تک زبان پر نہ آنے دیا۔ اور نہ ھی دشمن کیلئے بد دعا کی۔ یہ ھے :-

وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ

کی عملی تصویر جو سوائے کتب حدیث کے اور کہیں نہیں مل سکتی اور یہ ھے اسوۂ حسنہ کے الفاظ کی تفسیر جو صرف کتب حدیث میں ھی مل سکتی ھے۔ اس تشریح و تفسیر کے بغیر قرآن کریم کی متعلقہ آیات کی تفسیر بیان نہیں کیجا سکتی۔ ان حقائق کو رد کر کے انسان قرآن کریم کے مطالب کو کیا سمجھیگا؟ یقیناً وہ محروم

و بدنصیب رهیگا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيْرًا ۝ (۳۳ : ۲۱)

الله تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اسوۂ حسنہ کے بغیر انسان اخلاق فاضلہ سیکھ ہی نہیں سکتا۔ اگر خدا تعالیٰ انسانی فطرت کے پیش نظر حضور نبی کریم ﷺ کو اسوۂ حسنہ قرار دیتا ہے تو قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والے کے لئے یہ بات نہایت ہی ضروری ہے کہ وہ حضور نبی کریم ﷺ کو اپنا مقتدا یقین کرے۔ اور ان کے نقش قدم پر چلنے کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو وہ خدا کا نافرمان ہے اور وہ قطعاً قرآن کریم کے احکام کو نہیں مانتا۔ الله تعالیٰ تو یہ بیان فرمائے کہ میرے احکام کی عملی تصویر محمد رسول الله ﷺ کے اعمال میں ملتی ہے اس لئے تم حضور کی ہر معاملہ میں تقلید کرو۔ تا کہ تمہیں میرے احکام کی تعمیل کا صحیح طریق میسر آ جائے۔ لیکن ایک قرآن دانی کا دعویٰ کرنیوالا ہے کہ اس واضح نص قرآنی کا سرے سے ہی انکار کر دیتا ہے اور جن کتب میں حضور کے اعمال و اخلاق کا نقشہ موجود ہے ان کو ہاتھ لگانا حرام قرار دیتا ہے اور ان کی تحقیر کرتا اور اپنے اس ناپاک اور مضر نمونہ سے بیشمار

مسلمانوں کو گمراہ کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ اسوہ اس شخص کے لئے ہے

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ

یعنی جو خدا کو پانے کی امید رکھتا ہے۔ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ اور جو اپنی زندگی کا انجام اچھا چاہتا ہے۔ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيراً اور جو خدا تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ ذکر الٰہی کی کثرت کے معنے اعمال صالحہ کی توفیق کا کثرت سے میسر آنا ہے۔ جو شخص کثرت سے ذکر الٰہی کریگا اسکو کثرت سے اعمال صالحہ کی توفیق ملیگی اور جس شخص کو اعمال صالحہ کی کثرت کے ساتھ توفیق ملی وہ رسول کریم ﷺ ہیں۔ ان کی صحیح اتباع صرف اس شخص کو نصیب ہوسکتی ہے جو حضور کی مقدس سیرت سے پوری پوری واقفیت رکھتا ہے اور یہ معرفت اور یہ عرفان کتب حدیث و کتب سیر کے مطالعہ کے بغیر ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضور کی اپنی ذات پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے تو حضور ان کو پورے صبر اور ہمت اور استقلال کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور مصائب کے برداشت کرنے کو موجب نزول برکات سماوی یقین کرتے تھے۔ اور اسطرح اپنے ساتھیوں کو مصائب برداشت کرنے کیلئے تیار کرتے تھے۔ اور مصائب کے اندر قضا و قدر پر راضی رہنے کے

مشکل ترین مجاہدہ کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن جب دوستوں پر آفت آتی تو صدمہ زدہ ہو جاتے تھے۔

بئر معونہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے۔ بئرمعونہ کے علاقوں میں رعل۔ ذکوان۔ عصید اور بنی لحیان کے قبائل بستے تھے۔ اس علاقہ کے ایک سردار نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں التماس کی کہ ہمارے علاقہ کی تعلیم کی طرف توجہ دیجائے حضور نے حکم دیا کہ ستر قاری ان قبائل کی تعلیم و تربیت کی خاطر بھیجے جائیں۔ چنانچہ یہ ستر بزرگ صحابہ وہاں روانہ ہو گئے ان قبائل کے بعض شریر لوگوں نے ان ستر بزرگ ہستیوں کو راستہ میں ہی قتل کر ڈالا۔ یہ سفاکانہ اور غدارانہ اور ظالمانہ سانحہ کس کیلئے تکلیف کا باعث نہ ہوتا۔ حضور رسول کریم ﷺ جو اپنے دوستوں کیلئے پہلو میں نہایت ہی درد مند دل رکھتے تھے انہیں اس پر سب سے زیادہ صدمہ ہؤا اور ان کی زبان پر ایک بددعا آئی اور اس بد دعا کو آپ نے بار بار دھرایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضور کو یوں مخاطب فرمایا:

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ○ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ○

(٣ : ١٢٧)

فرمایا :- فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ

یعنی ان لوگوں نے بے شک بہت ظلم کیا ہے اور انہوں نے آپ کے مکرم و محبوب دوستوں کو غداری سے تہ تیغ کرڈالا ہے اور اس پر آپ کا بد دعا کرنا بھی طبعی امر ہے ۔ لیکن خدا رب العالمین ہے اور کائنات کی ایک ایک چیز اسکی ملکیت ہے ۔ اسلئے ہر چیز کے ساتھ اسکو پیار ہے ۔ حتیٰ کہ ظالم کافر سے بھی اسے پیار ہے ۔ ہماری حکمت و مشیت کا تقاضا رحم ہے ۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ

اس لئے ہم ڈھیل دیتے ہیں ۔ غفاری و ستاری بھی ہمارا پیشہ ہے ۔ مخلوقات کے معاملہ میں ہمارا یہی طریق جاری رہیگا ۔ میری حکومت میں آپ کا دخل نہیں ہے ۔ اسلئے آپ بد دعا کرنے سے رک جائیں اس آیت نے بتا دیا کہ خدا میں اور رسول میں کتنا بڑا فرق ہے۔ خدا اپنی سلطنت کی زمام اپنے محبوب ترین رسول کے ہاتھ میں بھی نہیں دیتا ۔

آیت زیر بحث کا ترجمہ و تفسیر بیان کرنا پس منظر کا علم حاصل کئے بغیر امر محال ہے ۔ جو شخص منکر حدیث ہے وہ اس آیت کی تفسیر نہیں کر سکتا جب تک وہ ان کتب کا مطالعہ نہ کرے جن میں یہ واقعات مرقوم ہیں ۔ طالب حق کو مجبوراً وہ لٹریچر سامنے رکھنا پڑتا ہے جو کتب حدیث میں درج ہے ۔ کتب حدیث کا

انکار کرکے انسان قرآن کریم کو سمجھنے کے قابل نہیں رہتا ۔

جنگ بدر کی تفصیلات

جنگ بدر یہ پہلی لڑائی ہے جو مسلمانوں کو کفار کے مقابل پر لڑنی پڑی ۔ اس لڑائی کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ اس لئے کہ اس لڑائی میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس سامان حرب بھی ناکافی تھا لیکن انکے مقابل پر دشمن کی فوج مسلمانوں کی فوج سے تین گنا تھی اور ان کا سامان حرب بھی زیادہ تھا ۔ باوجود اسکے مسلمانوں کو نمایاں فتح حاصل ہوئی ۔ دشمن کے ستر بڑے بڑے آدمی مارے گئے اور اتنی ہی تعداد میں قیدی ہوئے ۔

اس فتح نے جہاں دشمنوں کے دلوں پر اسلام کا رعب بٹھا دیا وہاں مسلمانوں کا حوصلہ بھی بڑھا دیا ۔ کیا منکرین حدیث اس لڑائی کی مذکورہ بالا تفصیلات قرآن کریم کے صفحات میں دکھا سکتے ہیں ؟ اس لڑائی کا نقشہ اور دو متصادم جماعتوں کی تعداد اور ان کے سامان حرب کا تذکرہ احادیث میں ہی ملتا ہے ۔ متصادم جماعتوں میں کون کونسے سرداران قوم تھے ۔ ان کا کیا حشر ہؤا ؟ اس کا علم منکرین حدیث کو نہیں ہے ۔ یہ تفصیلات صرف حدیث نے مہیا کی ہیں ۔ اور ان تفصیلات کے بغیر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ

کا لطف نہیں آ سکتا اور نہ ھی پتہ چل سکتا ھے کہ آیت کونسی مافوق العادۃ نصرت کی طرف اشارہ کرتی ھے ۔ جن آیات میں بدر کی جنگ کا ذکر ھے ان میں سے چند الفاظ یہاں پر پیش کئے جاتے ھیں جنکا ترجمہ و مفہوم صرف حدیث میں ھی ملتا ھے ۔ مثلاً

وَ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ

میں اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کا صحیح ترجمہ قطعاً کسی لغت کی کتاب میں نہیں ملتا ۔ اول تو منکرین حدیث کو لغت کی کتاب استعمال ھی نہ کرنا چاھئے اور اگر وہ لغت کی کتب میں جنکے مصنف مسلمانوں کے علاوہ قابل ترین عیسائی بھی ھیں ان الفاظ کا ترجمہ تلاش کرنا جائز سمجھتے ھیں تو حضور نبی کریم ﷺ کی کتب سے ان الفاظ کا ترجمہ لے لینے میں ان کو کیوں عار محسوس ھوتی ھے ؟ یہ تو منکرین حدیث کی بد بختی ھے کہ وہ بھٹکے تو کہاں سے کہاں چلے گئے ۔ وَاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کا صحیح ترجمہ و مفہوم قطعاً کسی لغت کی کتاب میں نہیں ملتا اور قرآن کریم نے جہاں جہاں یہ لفظ استعمال کیا ھے وہ یا تو حقیر و ذلیل کے معنوں میں ھے یا نرمی اختیار کرنے کے معنے میں ۔ مثلاً

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ

(۶۳ : ۸)

اگر ہم واپس مدینہ میں پہنچے تو ہمارا معزز طبقہ مسلمانوں کے ذلیل طبقہ کو شہر سے نکال دیگا"۔ اور :—

اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً

(۲۷ : ۳۴)

"جب بادشاہ فتحمند ہو کر کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد پیدا کرتے اور اُن کے معزز طبقہ کو ذلیل کر دیتے ہیں" ۔

ان آیات میں اذلۃ کے معنے ذلیل و حقیر کے ہیں اور ذیل کی آیۃ میں اَذِلَّةٌ کے معنے نرم دل ہیں :—

يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ (۵ : ۵۴)

"تو خدا ایسی قوم پیدا کر دیگا جنکو وہ پسند کرتا ہو اور وہ خدا کو پسند کرتے ہوں اور وہ مومنین کے ساتھ نرم ہوں اور کافرین کے مقابل پر کڑے" ۔

الغرض قرآن کریم میں وَ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کا یہ ترجمہ کہ "باوجودیکہ تم تھوڑے تھے" کسی دوسری آیت میں نہیں ملتا اور نہ ہی یہ ترجمہ کسی لغت میں ملتا ہے ۔ یہ ترجمہ صرف کتب حدیث میں پایا جاتا ہے ۔ مفسرین نے بھی یہ ترجمہ احادیث سے لیا ہے ۔

منکرین حدیث نے بھی یہ ترجمہ یقیناً احادیث سے لیا ہے یا کتب تفسیر سے اور کتب تفسیر سے لینا کتب حدیث سے لینے کے مترادف ہے۔ پس ثابت ہؤا کہ ان کے ہاں چوری کا مال ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم حدیث کو نہیں مانتے لیکن ضرورت پڑے تو سرقہ کرنے کے مرتکب ہو جاتے ہیں

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اسی طرح سے

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ

کا ترجمہ منکرین حدیث نے کتب حدیث سے لیا ہے۔ وہاں لکھا ہے یہ قافلہ شام سے آ رہا تھا۔ مدینہ ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ وہاں سے گزرنا ان کے لئے پر از خطر تھا۔ اس لئے ابوسفیان نے اس راستے پر چلنا ترک کر کے وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل کے ساتھ ساتھ تھا۔ اور ظاہر ہے یہ زمین اس مقام سے نیچی ہے جہاں مسلمان تھے۔ اس صورت حال کو وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ کے الفاظ بیان کرتے ہیں۔ اور یہ ترجمہ صرف کتب حدیث میں ملتا ہے۔ ورنہ منکرین حدیث کے پاس اور کوئی ذریعہ اس ترجمہ کو اختیار کرنے کا نہیں ہے۔ اگر ان کے ہاں پہلے مال مسروقہ پایا گیا تھا تو تفتیش کرنے پر اور

مال بھی پکڑا گیا ۔

ثُمَّ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

ان آیات میں

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ

کے الفاظ قابل غور ہیں ۔ مسلمانوں کو اپنی کمزوری کا ازحد احساس تھا ۔ اور مقابل پر دشمن کی کہیں بڑی ہوئی طاقت کا انہیں علم تھا ۔ ان سے لڑنا موت کے منہ میں جانا نظر آتا تھا ۔ اس لئے ان پر خوف طاری تھا ۔

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ

وہ ایسا محسوس کرتے تھے کہ گویا ان کو موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے ۔ اسوجہ سے وہ جناب الٰہی میں تضرع اور الحاح کے ساتھ دعائیں کرتے تھے کہ ہم کو تباہی سے بچایا جائے ۔ یہ کیفیت ان کے سردار پر بھی طاری تھی اسلئے کہ سردار کو ذمہ داری کا سب سے زیادہ احساس تھا ۔ وہ رسول کریم ﷺ تھے ۔ حضور کی زاری کا یہ عالم تھا کہ ھاتھ آسمان کی طرف اٹھے ہوئے ہیں اور منہ کعبہ کی طرف کیا ھؤا ہے ۔ اور یہ الفاظ دھرا رہے ہیں کہ اے میرے مولیٰ اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے میرے ساتھ حق کی

فتح کا کیا ہؤا ہے - اگر وہ وعدہ آج پورا نہ ہؤا اور ہم پر بربادی آئی تو تیری توحید کی تعلیم مٹ جائیگی - حضور زاری کرتے کرتے نڈھال ہو گئے - ان کی چادر کندھوں پر سے نیچے گر گئی اور حضرت ابوبکرؓ ان کو تسلی دینے کیلئے آگے بڑھے اور کہا حضور نے الحاح میں انتہا کر دی ہے - خدا تعالیٰ اپنے وعدے کو ضرور پورا کریگا - آن کی آن میں کیا دیکھتے ہیں کہ آسمان ابر آلود ہو گیا اور بارش شروع ہو گئی - جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے - وہ ہماری دعا سنتا ہے اور اس نے ہماری فتح کے سامان پیدا کر دئیے ہیں - اس سے دلوں میں مضبوطی پیدا ہو گئی اور دلوں کی مضبوطی فتح کی ضامن ہوتی ہے - بارش نے اس زمین کو بھی سخت کر دیا جس میں پاؤں گھس گھس جاتے تھے - بارش کے پانی میں غسل کرنے سے اور بارش کا پانی جمع کر لینے سے اسلامی فوج کے حوصلے بڑھ گئے - اس تمام واقعہ کا قرآن کریم میں یوں ذکر کیا گیا ہے فرمایا :-

وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاۤءِ مَاۤءً

خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ تاکہ کمزوری کے خیالات دور کر دے -

وَ يُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ

اور تاکہ شیطانی وساوس کی ناپاکی کو دور کر دے۔

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ

تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ

اور قدموں میں مضبوطی پیدا کر دے۔ حضور نے جو درد و اضطراب بھری دعا کی اسکے الفاظ یہ ہیں:۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ قِبْلَةً وَمَدَّ يَدَيْهِ يَدْعُوْا اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْلِىْ مَا وَعَدْتَنِىْ۔ اِنْ تُهْلِكَ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَنْ تُعْبَدَ فِى الْاَرْضِ اَبَدًا فَمَا زَالَ كَذَالِكَ حَتّٰى سَقَطَ رِدَائُهٗ يَاخُذُهٗ اَبُوْبَكْرٍ فَاَلْقَاهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ وَالْتَزَمَهٗ مِنْ وَرَآئِهٖ وَقَالَ يَا نَبِىَّ اللّٰهِ كَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَاِنَّهٗ يَسْتَنْجِزُ لَكَ مَا وَعَدَكَ

منکرین حدیث اپنے ترجمہ میں رسول کریم ﷺ کی اس دعا کا ذکر کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ وہ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ صرف فوج نے دعا کی تھی۔ اور سردار نے کوئی دعا نہ کی

تھی - جب ساری قوم پر خوف طاری تھا تو کیا لیڈر ان سے علیحدہ تھا - نہیں، ساری کی ساری قوم بمعہ اپنے سردار کے بے اختیار ہو کر خدا کے سامنے گریہ و زاری کر رہے تھے - ان کی دعا کو خدا نے قبولیت بخشی - قوم فتحمند ہوئی اور خدا تعالیٰ کی ذات پر ان کا ایمان بھی بڑھا -

قرآن کریم نے جنگ بدر کی ابتدائی تیاری کا ذکر نہیں کیا - وہ سبق آموز ہے - اس کا ذکر صرف حدیث میں ملتا ہے - اس موقعہ پر حضور نے قوم سے مشورہ طلب کیا - قوم کو فوج اور سامان حرب کی قلت نظر آتی تھی - ان کو دشمن کی تین گنا فوج اور اسکے نہایت آزمودہ کار سرداروں کا علم ہو چکا تھا - ان کو یہ بھی علم تھا کہ ہمارے پاس صرف دو گھوڑے ہیں اور دشمن کے پاس دو سو ہیں - ہمارے پاس چند زرہ بکتر ہیں اور دشمن کے زرہ پوش سپاہیوں کی تعداد سات سو سے زیادہ ہے - حضرت نبی کریم ﷺ کو بھی اپنی اس بیکسی اور بے سرو سامانی کا خوب احساس ہے - مسلمان جان بچا کر مکہ سے بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئے تھے - اب یہاں پر بھی ان کے خون کے پیاسے دشمن پہنچ گئے ہیں -

كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ

موت کے سامان جمع ہو کر سامنے آ موجود ہوئے ہیں - ان نہایت ہی

پریشان کن حالات میں حضور نے مشورہ طلب کیا تو قوم نے حضور کو تسلی دی کہ ہم آپ کا آخر دم تک ساتھ دینگے اور آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں کٹ کر مر جائینگے اور کہا

لَا نَقُوْلُ لَكَ كَمَا قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰى لِمُوْسٰى

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ ○

یعنی ہم موسیٰ کی قوم کی طرح بزدلی نہ دکھائینگے۔

بَلْ نُقَاتِلُ بَيْنَ يَدَيْكَ وَ عَنْ خَلْفِكَ وَ عَنْ يَمِيْنِكَ وَ عَنْ شِمَالِكَ ○

اولاً مہاجرین نے اس قسم کے مضبوط ارادوں اور بلند خیالات کا اظہار کیا اور اسکے بعد انصار نے بھی پرزور الفاظ میں پورا پورا ساتھ دینے کا یقین دلایا۔ جس پر حضور نے کوچ کا حکم دیا۔ یہ واقعات اپنے اندر بہت سے قیمتی سبق رکھتے ہیں۔ یہ واقعات موجب ازدیاد ایمان ہیں۔ لیکن منکرین حدیث ان کا بیان کرنا گناہ یقین کرتے ہیں۔

کیا قرآن کریم یہ تعلیم دے سکتا ہے کہ تاریخ ایک غلط علم ہے اور اس کا مطالعہ نقصان دہ ہے؟ اس قسم کی غلط بات قرآن کریم کی طرف منسوب کرنا ظلم ہے۔ اس سے قرآن کریم کی

قیمت لوگوں کی نگاہ میں گرتی ھے ۔ وہ تو اس کے برعکس یہ تعلیم دیتا ھے کہ گذشتہ اقوام کے حالات سے عبرت حاصل کرنا ضروری ھے ۔ عاد و ثمود کے حالات کا مطالعہ کرنے کا حکم قرآن کریم میں موجود ھے ۔ فرعون کے حالات پر غور کرنے کا اسمیں حکم ھے اور ایک جامع حکم تاریخ کے مطالعہ کرنے کے لئے سورہ العصر میں موجود ھے ۔ فرمایا :۔

وَ الْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ

گزرے ہوئے زمانہ کی اقوام کے حالات پر غور کرو ۔ ان حالات میں عبرت آموز اسباق ملتے ھیں ۔

منکرین حدیث اپنا غلط نظریہ اور غلط طریق کار ترک کر دیں ۔ وہ طریق نہ صرف غلط بلکہ بہت ضرر رساں ھے ۔ کیا وہ اس دین کو مٹانا چاھتے ھیں جو چودہ صدیوں سے مشرق و مغرب کی مسلمان اقوام کے دلوں میں اور رگوں میں رچ چکا ھؤا ھے ؟ کیا وہ اس ضرر رساں کوشش میں وقت ضائع کرنا چاھتے ھیں کہ جو دین اس لمبے عرصہ سے مسلمانوں نے سمجھ رکھا ھے ۔ وہ غلط محض ھے ؟ وہ یاد رکھیں ان کی یہ سعی بیکار ھے ۔

جنگ حنین کی تفصیلات حدیث میں ملتی ہیں

وَ يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

کیا کوئی شخص جو قرآن دانی کا مدعی ہو بتا سکتا ہے کہ حنین کس جگہ پر واقع ہے اور مکہ یا مدینہ سے کتنے فاصلہ پر ہے؟ آیا وہ پہاڑی علاقہ ہے یا میدانی اور کہ وہ

اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

کے الفاظ کی تشریح و توضیح کرنیکے لئے مسلمانوں کی اس کثیر فوج کی تعداد بتا سکتا ہے جسکا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے؟ نہیں، وہ ایسا کرنے پر ہرگز قادر نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ کتب حدیث سے مستفیض نہ ہو - اسی طرح سے وہ

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

کے الفاظ کی توضیح کرنے پر قادر نہیں ہو سکتا جب تک کتب حدیث و کتب سیرت و کتب تاریخ سے اس جنگ کی پیش آمدہ صورت حال سے پوری طرح واقفیت حاصل نہ کر لے - اس کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ زمین باوجود فراخی کے تمہارے لئے تنگ ہو گئی تھی - زمین کسطرح تنگ ہو گئی تھی - کونسے مصائب و مشکلات سے دو چار ہونا پڑا جو مسلمان لشکر نے زمین کو اپنے واسطے تنگ پایا

اور ان مصائب میں حضور نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیسا تھا اور اس کا اثر کس حد تک مفید ثابت ہؤا ؟

خدا تعالیٰ نے جنگ حنین کا ذکر نہایت مختصر الفاظ میں کیا ہے ۔ فرمایا :—

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ○

(٩: ٢٥)

اسکی وجہ یہ ہے کہ اس جنگ کا نقشہ واضح طور پر قوم کے سامنے ہے۔ قوم اس ابتلا میں سے گزر چکی ہے ۔ وہ اسکی شدت اور اسکی ہولناکی کو فراموش نہیں کر سکتی ۔ جب صورت حال یہ ہو تو مختصر الفاظ سے بھی اس نقشہ کو سامنے لایا جا سکتا ہے ۔ لیکن بعد میں آنیوالی نسلیں ان تفصیلات کا علم حاصل کئے بغیر اس آیت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہینگی اور یہ تفصیلات جنکا علم حاصل کرنا از بس ضروری ہے صرف کتب حدیث میں ملتی ہیں ۔ ان کتابوں میں لکھا ہے کہ فتح مکہ کے بعد بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبائل نے مسلمانوں پر یورش کرنے کی تیاریاں شروع کردی تھیں ۔ اسلئے حضور نبی کریم ﷺ

کیلئے ضروری ہو گیا تھا کہ اس آگ کو فرو کریں ۔ حضور نے ان دس ہزار قدوسیوں کو جو مکہ میں مظفر و منصور ہوکر داخل ہوئے تھے حکم دیا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم بنی ہوازن و بنی ثقیف کی یورش کو ناکام بنادیں ۔ جب یہ لشکر نکلا تو مکہ کے دو ہزار طلقاء بھی ساتھ ہولئے ۔ طلقاء وہ لوگ تھے جنکو سزا نہ دی گئی تھی بلکہ ان کو سزا سے آزاد کر دیا گیا تھا اور یہی طلقاء کے معنے ہوتے ہیں ۔ لشکر نے مدینہ سے جنوب کی طرف رخ کیا ۔ تین میل دور مقام حنین پر دشمن سے مڈبھیڑ ہو گئی ۔ مسلمانوں کو اسبات کا علم نہ تھا کہ حنین کی پہاڑیوں میں بنی ہوازن کے نہایت تجربہ کار تیرانداز گھات لگائے بیٹھے ہیں ۔ مسلمانوں کے دل فتح مکہ کے باعث بہت بڑھے ہوئے تھے ۔ ان کی تعداد نے بھی جو بارہ ہزار تک تھی ان کی حوصلہ افزائی کر رکھی تھی اور انہوں نے اس امر کا فخریہ اظہار بھی کیا تھا کہ آج ہم دشمن کی طاقت کو خاطر میں نہیں لا سکتے ۔ دشمن کیلئے شکست اور ہمارے لئے فتح طے شدہ امر ہے ۔ مسلمان اس خیال میں آگے آگے بڑھ رہے تھے کہ بنی ہوازن کے ماہر تیراندازوں نے کمین گاہوں سے ان پر اس شدت سے تیروں کی بارش کی کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ مقدمۃالجیش خوفزدہ ہوکر میدان کارزار سے بھاگ نکلا ۔ ان کی بدحالی کا اثر فوج کے عقب پر پڑا اور آن کی آن میں ساری فوج نے ہراسان

ھو کر راہ فرار اختیار کی ۔ ان پر خوف مسلط تھا اور ان کو بچ نکلنا محال نظر آتا تھا ۔ اس بیقراری و اضطراب کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ھے :—

وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

لشکر جرار کی سراسیمگی کا تو یہ عالم تھا لیکن حضور نبی کریم نے اس صبر آزما حالت میں مردانگی اور شجاعت کا لاجواب نمونہ دکھایا ۔ وہ خچر پر سوار تھے اور خچر پر وھی لیڈر سوار ھو سکتا ھے جو ھر صورت میں میدان میں جما رھنے کا قصد رکھتا ھو ورنہ وہ charger پر سوار ھوگا جو مشکل آن پڑے تو اپنے سوار کو اڑا کر کسی حفاظت کی جگہ پر پہنچا دے ۔ حضور نے اپنے لشکر کے انتشار کا مشاھدہ کرنے کے باوجود خچر کا رخ دشمن کی طرف کرکے باواز بلند اعلان فرمایا :—

اَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبْ ۔ اَنَا بِنُ عَبْدِالمطّلِبْ

نبی راہ فرار اختیار کرکے اپنے دعویٰ نبوت کی تکذیب نہیں کر سکتا ۔ میں نبی ھوں اور میدان میں جما کھڑا ھوں اور میری رگوں میں ھاشمی خاندان کا خون بہتا ھے ۔ وہ خون جو ممتاز شجاعت کیلئے شہرہ آفاق ھے ۔ حضور کی اس بے خوف و بے دھڑک ھمت و مردانگی کا قریب سے عباس اور ابوسفیان نے مشاھدہ کیا اور بعید سے

بھاگتی ہوئی فوج نے بھی - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ کو جو ان کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے حکم دیا - کہ مسلمانوں کو یَا اَصْحَابَ السَّمُرَۃ کرکے پکارو - اور ان کو وہ عہد یاد دلاؤ جو انہوں نے درخت کے نیچے کیا تھا - یعنی بیعت رضوان یا بیعت علی الموت کا عہد - حضور کے اس بے نظیر اسوہ حسنہ نے اور اس آواز کے بلند ہونے نے لوگوں کے دلوں کے نہاخانہ پر بجلی کا اثر کیا - فوج پلٹی اور اس شدت کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئی کہ دشمن ان کے سامنے تاب مقاومت نہ لا سکا - بنی ہوازن اور بنی ثقیف دونوں بھاگ نکلے - تعاقب کرنے سے دشمن کے چھ ہزار قیدی اور بے انداز مال مسلمانوں کے ہاتھ آیا - اس مال کا اندازہ یہ تھا - چالیس ہزار بھیڑ بکری - چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی - قرآن کریم نے اس واقعہ کو بیان کرکے قوم کو یہ بیش قیمت سبق دیا ہے کہ خدا کا فضل اور خدا کی نصرت شامل حال نہ ہو - تو فوج کی کثرت کسی کام نہیں آسکتی -

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

کام آنیوالی چیز قوت ایمانیہ ہے - قوت ایمانیہ کی وجہ سے اعلٰی درجے کا morale پیدا ہوتا ہے - اور جس قوم کا مورال مضبوط ہوگا - اسکے لئے فتح ہے -

اس فتح کی وجہ سے جو غنائم ہاتھ آئے وہ بھی قوم کی تربیت کا موجب ثابت ہوئے - حضور نبی کریم ﷺ نے ان اموال کے پیش نظر ایک نہایت ہی مفید تلقین فرمائی - حضور کھڑے ہوگئے اور اپنے اونٹ کے کوہان سے تھوڑی سی پشم ہاتھ میں لیکر فرمایا - میں تمہارے اموال میں سے اتنا مال بھی نہیں لیتا - ہاں خمس میرے ہاتھ آتا ہے - اور وہ خمس بھی میں قوم پر صرف کر دیتا ہوں -

مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یَغُلَّ

جس شخص کو خدا اور یوم آخرت پر ایمان ہے - وہ ان اموال میں بد دیانتی نہ کرے - کہتے ہیں اگر کسی کے پاس اونٹ کا گھٹنا باندھنے کی معمولی رسی بھی تھی - تو وہ بھی اس نے مال غنیمت میں لا کر رکھدی - میدان حرب کیا تھا اخلاقیات کا کالج تھا - حضور نبی کریم ﷺ اپنے نمونہ سے اور اپنی تلقین سے قوم کے دلوں کو نور ایمان سے منور کرتے تھے -

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَہٗ

جو شخص دیانتدار نہیں وہ ایماندار نہیں -

ایک اور قیمتی سبق جو قوم نے سیکھا وہ یہ تھا کہ قیدیوں میں حضور کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں - یہ حلیمہ سعدیہ کی لڑکی تھیں - ان کے ساتھ جس حسن سلوک سے نبی کریم ﷺ پیش آئے - وہ

ملاحظه ھو :—

فَلَمَّا جِیْءَ بِاُخْتِہٖ مِنَ الرَّضَاعَۃِ الشَّیْمَاءَ فِیْ سَبَایَا بَنِیْ

ھَوَازِنَ وَتَعَرَّفَتْ لَہٗ بَسَطَ رِدَآئَہٗ لَھَا وَ قَالَ اِنِّیْ

اَحْبَبْتُ اَنْ اَقَمْتِ عِنْدِیْ مُکَرَّمَۃً مُحَبَّبَۃً

یعنی جب حضور ﷺ کی رضاعی بہن شیما حضور کے سامنے پیش کی گئی اور اس نے اپنا تعارف کرایا تو حضور نے اپنی چادر اسکی تعظیم کے لئے بچھائی اور فرمایا ۔ اگر آپ پسند کریں تو ھمارے پاس قیام کریں ۔ ھم آپ کی تکریم کرینگے اور محبت سے پیش آئینگے ۔ پھر ایسا ھوا کہ حلیمہ سعدیہ قیدیوں کے حق میں سفارش کرنیکے لئے لشکر گاہ میں آ پہنچی ۔ اسکے لئے بھی حضور نے چادر بچھائی ۔ اسکی سفارش کو شرف قبولیت بخشا ۔ اور اسکی خاطر تمام قیدیوں کو رھا کر دیا ۔ یہ نایاب اور انمول موتی کتب حدیث کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتے ۔ کیا ان موتیوں کی قدر کرنیکی بجائے ان کو پاؤں تلے روند دینا کوئی عقلمندی ھے ۔ ھرگز نہیں بلکہ یہ محرومی و بدنصیبی ھے ۔

حضور ﷺ نے خوب فرمایا :—

اِنِّیْ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

اور خدا نے فرمایا :—

وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

خدا اور اسکے رسول کا یہ دعوی معاملات میں ھی پرکھا جا سکتا ھے - اور معاملات کا ذکر حدیث میں ملتا ھے - قرآن کریم اگر ان تفصیلات کو درج کرنے لگتا تو اس کا حجم اتنا بڑھ جاتا - کہ اس کا مطالعہ کرنا محال ھو جاتا -

جنگ احزاب

قرآن کریم کی ایک سورۃ کا نام الاحزاب ھے - الاحراب کا واحد حزب ھے - جس کے معنے گروہ کے ھیں - اس سورۃ کا یہ نام اس وجہ سے رکھا گیا ھے - کہ عرب کے تمام قبائل اور تمام گروھوں نے ملکر ایک مشترکہ لشکر تیار کیا - تاکہ مدینہ طیبہ پر حملہ کرکے اسلام کو بالکل نیست و نابود کر دیا جائے - یہ بات کہ یہ لشکر ھیبت ناک تھا - اس صورت کو دو آیتوں میں ظاھر کیا گیا ھے - ایک یہ ھے -

یٰاَھْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا

بعض لوگوں نے دشمن کی اس جمعیت اور دشمن کے سامان حرب کو دیکھکر یہ یقین کر لیا کہ مسلمان قطعاً اس بے پناہ لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے - اسلئے ان کو مشورہ دیا کہ سلامتی

کا صرف ایک ہی طریق ہے کہ میدان حرب کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں جا کر پناہ لو - اور دوسری آیۃ

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا

بعض لوگوں نے کہا اللہ اور اسکے رسول نے تو بشارت دے رکھی تھی کہ ہم غالب آئینگے - لیکن حالات پیش آمدہ تو ہماری ہلاکت کی غمازی کر رہے ہیں - ان آیات میں کمزور دل لوگوں کی رائے کا اظہار ہے - لیکن پختہ ایمان والے مسلمانوں کے دل کا نقشہ بھی اسبات کی تائید کرتا ہے کہ دشمن کی تیاری اسقدر تھی - کہ اسلامی لشکر اس سے خوفزدہ تھا - ان کے خوف و اضطراب کا نقشہ اس آیت نے کھینچا ہے -

اِذْ جَاءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ○ (۱۰ : ۳۳)

یعنی دشمن کی کثرت کو دیکھکر مسلمان خوف زدہ ہوئے ان کی آنکھیں ٹیڑھی ہوگئیں اور ان کے کلیجے منہ کو آگئے - اسی سورۂ احزاب میں اسی موقعہ پر حضور نبی کریم ﷺ کے متعلق فرمایا :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

که ان مایوس کن حالات میں بھی رسول کریم ﷺ نے نہ صرف ہمت و مردانگی و شجاعت کا فقید المثال نمونہ دکھایا - بلکہ سپاہیوں کے ساتھ مل کر خندق کھودی اور اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا کر ان کے دلوں کے اندر برق رو پیدا کر دی - اور اسی طرح خندق کھودنے سے پیشتر اہل لشکر سے مشورہ لینا بھی ظاہر کرتا تھا - کہ سردار کو اپنے سپاہیوں پر پورا پورا اعتماد ہے - کہ لشکر کا ترتیب دینا بھی انکے مشورہ سے ہوا - اور ان کے مشورے سے ہی خندق کھودنے کا کام شروع کیا گیا - خندق کھودتے ہوئے ایک زبردست چٹان نمودار ہوئی - جب اس کا توڑنا مسلمان سپاہیوں کے لئے مشکل ثابت ہوا - تو اسکے توڑنے کیلئے حضور سے التماس کیگئی - حضور کدال لے کر اٹھے اور اس پر پوری طاقت سے ایسی ضرب لگائی - کہ چٹان پھٹ گئی اور اس میں سے ایک شعلہ پیدا ہؤا - اور مکرر ضربات سے مکرر شعلہ جات نمودار ہوئے - اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان شعلوں میں مجھے دکھایا گیا ہے - کہ ہماری قوم ایران و شام و یمن کے ممالک کو فتح کرنے میں کامیاب ہوگئی ہے - دشمن کی کثرت اور اس کے خطرناک ارادوں کے سامنے یہ پیشگوئیاں کرنا اس محکم ایمان پر دلالت کرتا ہے جو حضور کو حاصل تھا اور جسکی وجہ سے مسلمان لشکر کے دلوں میں قوت ایمانیہ مضبوط ہوتی چلی جاتی تھی -

یہ ایمان افروز تفصیلات صرف کتب حدیث میں ملتی ھیں - اس لئے

کتب حدیث نہایت قدر کے قابل ھیں۔ جنکے مطالعہ سے ھمارے ایمان میں زیادتی ھوتی ھے - اور ھماری بصیرت قرآن حکیم کے حکیمانہ اعجاز کے متعلق بڑھتی ھے۔ لیکن منکرین حدیث اس سے محروم رھنا اپنا فرض قرار دیتے ھیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دلوں میں نور ایمان پیدا کرنے کیلئے ان صبرآزما حالات کا ذکر کرکے فرماتا ھے۔ ھماری نصرت و بخشش کو یاد کرو۔ کہ ھم نے دشمن کو تباہ کرنے کیلئے ان پر آندھی مسلط کر دی۔ اس آندھی میں شدت کی سردی کے علاوہ کنکریاں تھیں۔ جو گولہ باری کا کام دیتی تھیں - اس شدید آندھی نے دشمن کے چولھوں کی آگ سرد کر دی۔ جس سے ان کو یقین ھو گیا کہ ھماری شکست ھو گئی۔ اس آندھی نے ان کے چولھوں پر سے دیگیں الٹ دیں۔ اس آندھی نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے۔ اور دشمن کا لشکر سراسیمہ ھوکر بھاگ نکلا۔ خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا۔ اس سے مسلمانوں کے قلوب پر خدا تعالیٰ کی قدرت اور خدا تعالیٰ کی نصرت کا بہت گہرا اثر ھوا۔

اُذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ○ (۹ : ۳۳)

یعنی دشمن کی طاقت اور اپنی بے بسی کو سامنے رکھکر اندازہ لگاؤ کہ ہم نے تمہارے اوپر کسقدر فضل کیا۔ کہ آندھی کو دشمن کی بربادی کیلئے مسلط کر دیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْراً

ہم تمہاری بے بسی کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ اس بے بسی میں جو تم اپنے بچاؤ کی تدبیر کر رہے تھے اسکو بھی دیکھ رہے تھے۔ تمہارا صبر اور تمہاری جدوجہد بھی ہمارے سامنے تھی۔ ہم نے دشمن پر آندھی چھوڑ دی۔ جنگ بدر کے موقعہ پر اگر آسمان سے بارش کے رنگ میں نصرت نازل فرما کر مسلمانوں کے دلوں میں تقویت پیدا کر دی تھی تو جنگ احزاب میں ہوا کو حکم دے کر دشمن کے دلوں کو مرعوب کر دیا۔ اور مسلمانوں کے قلوب کو نور ایمان سے منور کیا۔ وہ لشکر جسکو وہ مر مٹ کر بھی شکست نہ دے سکتے تھے۔ خدا کی قدرت اور اسکے رحم سے آن کی آن میں نظر سے غائب ہوگیا۔ قرآن کریم حکم دیتا ہے کہ ان ایمان افروز تفصیلات کو مد نظر رکھو جو کتب حدیث نے تمہارے لئے محفوظ کر رکھی ہیں۔

جنگ تبوک

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ

اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ .... وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ

خُلِّفُوا ۝ (٩ : ١١٧، ١١٨)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر رحمت سے توجہ فرمائی نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی کے وقت حضور کا ساتھ دیا اور ان تینوں پر بھی رحمت سے توجہ فرمائی - جنکی توبہ کا معاملہ پیچھے رکھا گیا تھا -

ان آیات میں جنگ، تبوک کے بعض نہایت اہم اور سبق آموز واقعات کا ذکر ہے - لیکن تفصیلات اسلئے نہیں دی گئیں کہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں ہے - ہاں وہ تاریخی واقعات کے پس منظر کو مد نظر رکھتے ہوئے ضروری ہدایات تلقین کرتا ہے - تاکہ اخلاق فاضلہ کی آبیاری ہو - ان آیات میں ذیل کے الفاظ قابل غور ہیں -

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ ... (لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى) الْمُهَاجِرِينَ

وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ....

.... اور (لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ) عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا ۝

وہ ساعۃ العسرۃ کونسی تھی - جس میں حضور کو نکلنا پڑا - اور جس میں

مہاجرین اور انصار نے حضور کا ساتھ دیا - یہ کوئی عظیم الشان مہم نظر آتی ھے جسکے اختیار کرنے اور جس کے مصائب و مشکلات برداشت کرنیکی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت حضور پر اتری اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حضور علیہ الصلواۃ والسلام کو میسر آئی - اور اللہ تعالیٰ نے مہاجرین اور انصارکو بھی اس رحمت اور خوشنودی کا حصہ دار قرار دیا - وہ ساعۃ العسرۃ جنگ تبوک کی مشکلات ھیں - حضرت ابن عباس نے ان مشکلات کا ایک پہلو شدۃ القیظ کے الفاظ استعمال کرکے بیان کیا - یعنی موسم گرما کی شدید گرمی میں مدینہ طیبہ سے شام کی سرحد تک کا لمبا سفر ۸ ھجری میں پیش آیا تھا - علاوہ ازیں مدینہ میں قحط سالی تھی اور عین ان دنوں فصل پک رھی تھی - پھلدار اور سایہ دار درخت جنکو دیکھکر دلوں میں امید بندھ رھی تھی - کہ مصیبت کے ایام دور ھونیوالے ھیں - ان فصلوں اور پھلوں کو خیر باد کہہ کر شدت گرمی میں لمبا سفر اختیار کرنا ان کی پختگی ایمان کی دلیل تھی - قحط سالی کا سامنا ھو تو اس وقت سامان جنگ کے مہیا کرنے کیلئے چندہ پیش کرنا بہت بڑی قربانی تھی - لمبا سفر کرنے کے بعد ھرقل کی مسلح اور قواعد دان فوج کا مقابلہ کرنا اپنے تئیں موت کے منہ میں جھونکنے کے مترادف تھا - ان تمام مشکلات کو بیان کرنے کی خاطر فی ساعۃ العسرۃ کے الفاظ استعمال کئے گئے ھیں - خود حضور نبی کریم ﷺ اور حضور کے

همراهیوں کو بھی ان شدائد کا پورا احساس ہے - اسلئے تبوک کی
جنگ کو انہوں نے غزوۃ العسرۃ کا نام دیا ہے اور اس لشکر کو جو
ان حالات میں نہایت مستعدی اور گرمجوشی کے ساتھ نکل کھڑا ہوا
تھا - جیش العسرۃ کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے اس جیش العسرۃ کی
خاطر سامان جنگ مہیا کرنے کیلئے باوجود قحط سالی کے صحابہ کرام
نے دل کھول کر چندے دئے - طلحہ - زبیر - سعد اور عبدالرحمن بن عوف
نے بڑھ چڑھ کر مالی قربانی میں حصہ لیا - حضرت عثمان رض نے فوج کے
ایک بہت بڑے حصہ کیلئے اونٹ بمعہ ان کے ضروری ساز و سامان کے
پیش کئے - اور دیناروں کی ایک تھیلی لا کر حضور کے دامن میں انڈیل
دی - اس سے حضور کے چہرہ پر سرور بھرا تبسم رونما ہوا - اور حضور
ان سونے کے سکوں کو ھاتھ میں لیتے اور ان کو اپنی انگلیوں میں سے
دامن پر گراتے تھے - اور زبان مبارک پر حضرت عثمان کے حق میں
خوشنودی کے کلمات جاری تھے - اسطرح حضرت عمر رض نے اپنی پونجی
پیش کی تو حضور نے استفسار کیا - کتنا مال لائے ہو - انہوں نے
عرض کیا تمام متاع کا نصف پیش کرتا ہوں - اور جب حضرت
ابو بکر صدیق نے گھر کی ساری کی ساری پونجی پیش کردی تو حضور نے
استفسار کیا -

مَا اَبْقَیْتَ لِاَهْلِكَ

یعنی اهل و عیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو - تو عرض کیا -

أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ

اهل و عیال کیلئے صرف اللہ اور اسکے رسول کا نام چھوڑ آیا هوں - ایسی جان نثاری کا مظاهره لیڈر کی مشکلات کو هلکا کر دیتا هے - حضور کی مشکلات اور صحابه کرام کی قربانی و سرفروشی کے عزائم کی وجه سے یه آیة نازل هوئی -

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْأَنْصَارِ

یعنی ایسی مشکلات کا مقابله کرتے هوئے دین و ملک کی حفاظت کیلئے رسول کریم ﷺ کا به نفس نفیس لمبا سفر اختیار کرنا خدا تعالیٰ کی رحمت و رضا کا جاذب هوا اور مهاجرین و انصار کے صدق و صفا اور لاجواب ایثار و قربانی کا مظاهره بهی جاذب رحمت و رضا الٰهی هوا - انعامات الٰهیه و برکات سماویه کا نزول بقدر جد و جهد اور بقدر قربانی هوتا هے - جیسا که حضور نے فرمایا -

إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ

منکرین حدیث کو چیلنج

اگر مذکوره بالا مشکلات و مصائب کا نقشه سامنے نه هو اور اگر ان مشکلات کی موجودگی میں ان کی بلند آهنگی اور ان کی قربانیوں کا

نقشہ سامنے نہ ہو - تو

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ

کی توضیح وتشریح کرنا ناممکن ہے - یہ توضیح کتب حدیث اور کتب سیر کے سوائے اور کہیں نہیں مل سکتی - وہ لوگ جو منکرین حدیث ہیں وہ کتب حدیث اور کتب تفسیر سے مستفیض ہوئے بغیر ان آیات کی تفسیر نہیں کر سکتے - ان کے دلوں میں حدیث کا اقرار ہے - اور زبانوں پر حدیث کا انکار ہے - ہم ان کو للکار کر کہتے ہیں - کہ آؤ میدان میں نکلو - اور ان آیات کا ترجمہ و تفسیر بغیر حدیث کو سامنے رکھنے کے کرکے دکھاؤ - وہ ہرگز ہرگز ایسا کرنیکی جرأت نہیں کرسکیں گے - کیا وہ کسی لغت کی کتاب کی مدد سے ان آیات کی تفسیر کرنے پر قادر ہو سکتے ہیں - ان کو تو لغت کا استعمال بھی اپنے اوپر حرام قرار دینا چاہئیے - اور اگر وہ لغت کا استعمال جائز قرار دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ لغت کو قبول کرنا کیوں حرام سمجھتے ہیں - کیا وہ جنگ تبوک کا نام قران کی کسی آیت میں دکھا سکتے ہیں - کیا وہ دنیا کو اس امر کی تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم تاریخی واقعات کا انکار کرتا ہے - کیا وہ ایسی تلقین سے قرآن کریم کی قدر و منزلت اور اسکے وقار و عظمت کو گرانا چاہتے ہیں - اس پر وہ متانت سے غور کریں کہ تبوک کی جنگ ایک

تاریخی واقعہ ہے جسکا انکار کرنا اپنے تئیں جاہل قرار دینا ہوگا۔ قرآن دنیا کے تاریخی واقعات بیان نہیں کرتا۔ اور نہ ہی حضور نبی کریم ﷺ کی ۲۳ سالہ جدو جہد اور مسلمانوں کی جد و جہد و قربانیوں کی تفصیلات درج کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی تلقین نہیں کرتا کہ جو حقائق قرآن کریم میں درج نہ ہوں ان کا انکار کر دیا کرو۔

(لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ) عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

وہ تین کون ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مورد ہوئے۔ ان کا معاملہ کیا ہے۔ ان سوالات کے جوابات سوائے کتب حدیث کے اور کہیں نہیں ملتے۔ احادیث اور کتب سیر میں ان کے نام دئے ہیں۔ ان کے نام ہیں کعب بن مالک۔ مراره بن الربیع اور ھلال بن امیہ۔ یہ تینوں انصاری ہیں۔ کعب بن مالک بیعت عقبہ کے وقت موجود تھے۔ مراره اور ہلال دونوں بدر کی جنگ میں شریک تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک ہونیوالوں اور جنگ بدر میں حصہ لینے والی ہستیوں کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ لیکن یہ تینوں ممتاز اشخاص جنگ تبوک میں شرکت نہ کر سکے۔ یہ ان کی غلطی تھی۔ کعب بن مالک اپنی تقصیر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں جنگ تبوک میں شرکت کرنے کا پختہ ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن وقت پر لشکر کے ساتھ فوراً نہ نکل سکا۔ کیونکہ میرے بعض نجی معاملات ادھورے پڑے

تھے - میرا خیال تھا کہ ایک آدھ دن میں ان معاملات کی تکمیل ہو جائیگی - اور اس کے بعد میں حضور کی خدمت میں جا حاضر ہونگا لیکن خدا کی شان میں ھر روز نکل پڑنے کا ارادہ کرتا - اور ھر روز اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے میں فیل ھو جاتا تھا - نوبت یا نجا رسید کہ لشکر دور نکل گیا - اور میرا ارادہ کمزور پڑ گیا - حضور نے تبوک کے مقام پر دوستوں سے پوچھا بھی -

مَا فَعَلَ کَعْبٌ

اس پر کسی نے کوئی کلمہ میرے حق میں کہا اور کسی نے میرے خلاف - جب حضور واپس تشریف لائے - تو حسب عادت مسجد میں داخل ہوئے تاکہ نفل ادا کریں - اور اھل و عیال کے پاس جانے سے پیشتر احباب کی احوال پرسی کریں - حضور کا ورود مسعود سنکر میں بھی حاضر خدمت ھوا اور اسلام علیکم عرض کیا - اس پر

تَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ تَبَسُّمَ الْمُغْضَبِ

یعنی حضور نے ایسا تبسم کیا - جس تبسم میں خفگی کا اظہار تھا - میرے سامنے مختلف اصحاب نے عذر بہانے پیش کرکے اپنی تقصیر معاف کرا لی - لیکن میں نے عرض کیا - یا رسول اللہ کیا عرض کروں - میں ان دنوں ایسا تندرست اور ایسا فارغ البال تھا - کہ اس سے پیشتر میری ایسی اچھی حالت کبھی نہیں ھوئی - اور حضور پر روشن

ہے - کہ میں قادر الکلام ہوں - کوئی اور ہو تو اسکی ناراضگی کوئی عذر پیش کرکے دور کر لوں -

وَاللہِ لَقَدْ عَلِمْتُ لَئِنْ حَدَّثْتُكَ الْيَوْمَ حَدِيْثَ كَذِبٍ تَرْضٰى بِهٖ عَنِّيْ لَيُوْشِكَنَّ اللہُ اَنْ يُّسْخِطَكَ عَلَيَّ

مجھے خوب علم ہے - کہ اگر جھوٹی بات کہکر آپ کو راضی بھی کر لوں - تو خدا تعالیٰ آپ کو علم دیکر مجھ پر ناراض کر دیگا -

وَلَئِنْ حَدَّثْتُكَ حَدِيْثَ صِدْقٍ تَجِدُ عَلَيَّ فِيْهِ

اور اگر میں سچ سچ کہدوں - جس سے آپ مجھ پر ناراض ہو جائیں -

اِنِّيْ لَاَرْجُوْ فِيْهِ عَفْوَ اللہِ

تو میں امیـــد رکھتا ہوں کہ سچ کی برکت سے خدا مجھے معاف کر دیگا - خدا کی قسم میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے جو پیش کر سکوں حضور ﷺ نے فرمایا - اس شخص نے سچی بات پیش کر دی ہے - اچھا جاؤ - خدا کے حکم کی انتظار کرو -

کعب کہتے ہیں - میرے استفسار پر مجھے معلوم ہوا - کہ میری طرح دو شخص اور بھی ہیں - جنکو حکم الٰہی کی انتظار کرنے کا حکم ہوا ہے - ان کے نام ہیں مراره اور بلال - بعد ازاں حضور نے حکم دیا - کہ ان تین اشخاص سے کوئی شخص کسی طرح کا معاملہ

نہ رکھے ۔ اور ان سے کلام بھی نہ کرے ۔ حضور ﷺ کا ایسا کہنا تھا ۔ کہ تمام کی تمام آبادی نے ہم سے کلیۃً منہ موڑ لیا ۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ ہمارے ارد گرد کوئی آبادی نہیں رہی ۔ اور ہم گویا ویرانہ میں ہیں ۔ اسی عالم میں ہمارے اوپر پچاس راتیں گذریں ۔ مصیبت کی راتیں بہت لمبی ہوتی ہیں ۔ اور جب اور تو اور بیوی بھی غمگساری کی بجائے ارشاد نبوی کے ماتحت پورے طور پر مقاطعہ کر دے تو انسان کی وحشت کسقدر بڑھ جاتی ہے ۔ خدا نے سچ فرمایا ۔

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

زمین تو بیشک فراخ ہے ۔ لیکن جب ساری کی ساری قوم میں ایک شخص بھی بات کرنے کا روا دار نہ رہے ۔ اور کوئی گھر اھلاً و سہلاً کہنے کیلئے آمادہ نظر نہ آئے تو ہموم و غموم دل پر مسلط ہو جاتے ہیں ۔ اور دنیا باوجود اپنی وسعت کے تنگ نظر آتی ہے ۔ کعب کہتے ہیں ۔ ان ایام میں ایک دفعہ میں اپنے عم زاد بھائی ابو قتادہ کے باغ میں گیا ۔ اور اس تنہائی میں ان کو السلام علیکم کہا ۔ تو وہ میری طرف مخاطب تک نہ ہوئے ۔ اور نہ ہی کوئی جواب دیا ۔ میں نے ان سے کہا ۔ کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں دل سے مسلمان ہوں ۔ اور اللہ اور اسکے رسول کے احکام کا پابند ہوں ۔ تو پھر بھی انہوں نے

کوئی جواب نہ دیا اور کہا تو اتنا کہا۔

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

اس سے جو کیفیت میرے دل کی ہوئی اسکو تصور میں لانا بھی مشکل ہے۔ ان کے باغ سے باہر نکلا تو شام کے ایک عیسائی بادشاہ غسان کے ایلچی کو اپنی جستجو میں پایا۔ کسی شخص نے اسکو میری صرف اشارہ کر کے کہہ دیا کہ یہ وہ شخص ہے۔ جسکی تلاش میں تم ہو۔ اس ایلچی نے بادشاہ کا خط میرے ہاتھ میں دیا۔ اس میں لکھا تھا۔ ”سنا ہے تم پر تمہارے آقا نے سختی کی ہے۔ ذلت کی زندگی اچھی نہیں ہوتی۔ ہمارے پاس چلے آؤ۔ تمہاری ہر طرح کی خاطر داری ہوگی“۔ یہ خط میرے دکھ اور ابتلا میں انتہائی اضافہ کا موجب ہؤا۔ لیکن ایمان کی مضبوطی نے مجھے آمادہ کیا کہ اس خط کو نظر آتش کر دوں۔ چنانچہ میں نے اس خط کو چاک کرکے تنور میں پھینک دیا۔ خدا نے خوب ہمارے دلوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا۔

وَضَاقَتْ عَلَیْھِمْ اَنْفُسُھُمْ

پچاسویں رات گذرنے پر میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا تھا۔ اور پریشانیوں کے ہجوم میں غرق تھا۔ کہ پہاڑ کی چوٹی سے ایک آواز میرے کان میں آئی۔ اے کعب بن مالک تمہیں مبارک ہو۔ تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔ اس آواز کو سنکر میں سجدے میں

گر گیا - اور ساتھ ھی دوست بھاگے ھوئے میرے مکان پر پہنچے - تاکہ قبولیت توبہ کی خوشخبری مجھے سنائیں - توبہ کی قبولیت اور قوم کی گرمجوشی اور اخلاص و محبت نے میرے دل میں وجد پیدا کر دیا - میں نے فوراً مسجد کا رخ کیا - تاکہ حضور کی خدمت میں حاضر ھو کر بالمشافہ اس خوشخبری کو سنوں - آ کر کیا دیکھا حضور ﷺ پر نور کا چہرہ خوشی سے چمک رھا ھے - فرمایا - اے کعب تجھے آج اس دن کے چڑھنے کی بشارت دیتا ھوں جو تمہاری زندگی کا سب سے بہترین دن ھے - میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قبولیت توبہ جناب کی اپنی طرف سے ھے - یا جناب الٰہی کی وحی سے - فرمایا اللہ کی وحی سے - اس جواب سے کعب کا دل باغ باغ ھو گیا -

یہ بیان نہایت ھی قیمتی اسباق کا مرقع ھے - صحابہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا بینظیر نمونہ پیش کیا - اس اطاعت میں کسقدر باریک تقویٰ نظر آتا ھے - ایک وقت میں کامل مقاطعہ ھے - دوسرے وقت میں تعمیل حکم میں وفور اخوت و محبت کا مظاھرہ ھے - اور کعب بن مالک رسول کریم ﷺ کو راضی کرنے کیلئے حق گوئی سے سرمو ادھر ادھر ھونا خدا کی ناراضی کا موجب یقین کرتے ھیں - توحید کا قائل ھونا اور تقویٰ اختیار کرنا اسکو کہتے ھیں - اور جب حضور کی خدمت میں حضور کی زبان مبارک سے بشارت سننے کیلئے حاضر ھوتے ھیں - تو پھر وھی توحید باریتعالیٰ سامنے ھے -

پوچھتے ھیں یہ قبولیت توبہ رسول کی طرف سے ھے یا خدا کی طرف سے - یہ حضور نبی کریم ﷺ کی تربیت و تعلیم کا نتیجہ تھا جو قوم کے اعمال میں نظر آتا تھا - بھلا کوئی منکر حدیث اس بیان کے بغیر

(لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ) عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

کی کیا تفسیر بیان کریگا - حدیث کا منکر جب قرآن کو نہ سمجھا کرے گا - تو دل ھی دل میں قرآن کریم پر اعتراض کرنے کیلئے بھی آمادہ ھو جایا کریگا - اور یہ سب سے بڑی بدبختی ھوگی -

فتح مکہ

فتح مکہ متعدد قیمتی سبق آموز واقعات کا مرقع ھے - یہ واقعات کتب حدیث میں درج ھیں - لیکن قرآن کریم میں درج نہیں ھیں - یہ اسلئے کہ قرآن کریم تاریخ کی کتاب نہیں ھے - تاریخ کا درج کرنا تو درکنار اگر صرف مغازی ھی قرآن کریم میں درج کئے جاتے تو قرآن کریم کا حجم کئی گنا بڑھ جاتا - قرآن کریم اصول و نظریات بیان کرتا ھے - قرآن کریم روحانیات و اخلاق فاضلہ کی تعلیم دیتا ھے - وہ واقعات کی تفصیل کو بیان نہیں کرتا -

فتح مکہ ایک عظیم الشان واقعہ ھے - اس فتح سے وہ مشن جو خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ کے سپرد کیا تھا پورا ھؤا - یعنی سر زمین

عرب سے شرک و بت پرستی مٹ گئی اور اس کی جگہ توحید نے لے لی ۔

فتح مکہ اس لئے بھی عظیم الشان واقعہ ہے کہ انسان کی نگاہ میں یہ ایک ناممکن الوقوع امر تھا ۔ اس کا ظہور پذیر ہونا ثابت کرتا ہے کہ خدا ہے اور وہ قادر مطلق ہے اور اس کا تصرف اس کائنات پر ہے ۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ

خدا نے اپنے رسول کو یقین دلا رکھا تھا۔

قَدْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

یہ ضروری ہے کہ حق قائم ہو اور باطل زائل ہو جائے۔ فرمایا

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ

آپ کو دشمن کے انتہائی ظلم و تشدد کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا ہے ۔ ہم آپ کی بیچارگی اور بے بسی کو جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کی یہ مصیبت قرآن کی تبلیغ کی وجہ سے ہے ۔ ان تمام امور کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ آپ مظفر و منصور ہو کر پھر مکہ معظمہ میں داخل ہونگے اور آپ کے وہ دشمن جن کو اپنے جتھے اور مال و اسباب پر گھمنڈ ہے آپ کے پاؤں کی چوکی بنا دئے جائیں گے ۔ غرض فتح مکہ ایک حیران کن اور خدا نما معجزہ تھا ۔ حضور نبی کریم ﷺ

پر اس دن وجد کی حالت طاری تھی - چنانچہ حضور اپنی اونٹنی پر ہی سر بسجود ہو گئے اور زبان پر یہ مناجات جاری ہوئی -

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْجَزَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ

اور اونٹنی پر سوار ترنم سے

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً

پڑھتے اور بار بار لذت و سرور سے اس آیت کو گاتے تھے - حضور کے متبعین کا بھی یہی رنگ تھا - وہ بھی اہل بصیرت تھے ان پر ایک خاص کیف کا عالم طاری تھا - ان کے دل عرفان سے معمور اور چہرے لذت سے مسرور تھے - انہوں نے رنگ رلیوں کی بجائے تمام رات بھر تکبیریں بلند کیں - تمام رات خدا کی تحمید و ستائش کے ترانے گائے اور نوافل ادا کئے - اہل مکہ پہاڑیوں پر چڑھکر اس نرالے جشن کا مشاہدہ کر رہے تھے - وہ متأثر ہونے سے نہ رہ سکے کہ اسلام نے فتح مند لشکر کے دلوں میں خدا کی محبت اور اس کی عبادت کا کیا ولولہ پیدا کر رکھا ہے ان کو نہ کباب و شراب سے تعلق ہے اور نہ گانے اور ترانے سے اور نہ ہی رقص و سرود سے - ان کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی قدسی صفات ہستیاں ہیں - غرض مسلمانوں کے اس جم غفیر کے عمل کا مشاہدہ کرنے

والوں کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اسلام برحق ہے۔

قرآن کریم میں اکثر قوت نظری کا ذکر ہے اور حدیث میں اکثر قوت عملی کا مظاہرہ ہے جو طبعاً دلچسپی کا موجب ہے اور نہایت مؤثر ہے۔ منکرین حدیث اس ایمان افروز اور علم و عرفان کے ذخیرہ سے کیوں محروم رہنا چاہتے ہیں۔

فتح مکہ کی تفصیلات

حضور نبی کریم ﷺ دس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے اور مکہ معظمہ کا رخ کیا۔ اہل مکہ نے جو زخم پہنچائے تھے وہ فراموش نہ ہو سکتے تھے۔ جانبازوں کی جمعیت بھی حاصل ہے لیکن جذبۂ انتقام دل کے کسی گوشہ میں بھی دبا ہؤا موجود نہیں ہے۔ اہل مکہ کو بغیر کسی قسم کا گزند پہنچائے انہیں رام کر لینے کا قصد ہے۔ چنانچہ جب مکہ کے قریب مرّالظہران کے مقام پر پہنچے تو وہاں پر اس خیال سے قیام کرنے کا حکم دیا۔ کہ ضرور ہے کہ اہل مکہ کو ہماری چڑھائی کا علم ہو۔ اور ضرور ہے کہ وہ ہماری جمعیت و قوت کا اندازہ کرنے کیلئے اسجگہ پر پہنچیں۔ اور ممکن ہے ہماری طاقت کا مظاہرہ ان کو مقابلہ کرنے سے روک دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔ ابوسفیان جو ابوجہل کے بعد اپنی قوم کا سب سے بڑا سردار تھا۔ چند ہمراہیوں کے ساتھ اس مقام پر آ پہنچا۔ اسکے آنے سے پیشتر

حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے دس ہزار قدوسیوں کو آگ جلانے کا حکم دے رکھا تھا - جس سے وادی اور وادی کے دور دراز کے مقامات روشن نظر آتے تھے - ابو سفیان اس بارعب و پر شوکت نظارے کو دیکھکر ششدر رہ گیا - پھر حضور نے حکم دیا کہ ہر ایک قبیلہ کا علمبردار اپنا اپنا دستہ فوج پورے طور پر مسلح کرکے ابو سفیان کے سامنے سے گذرے - جب فوج کا لا متناہی سلسلہ ابوسفیان نے اپنے سامنے سے گذرتے ہوئے دیکھا - تو مزاحمت کرنے کا خیال اسکے دل و دماغ سے نکل گیا - بلکہ اس نے اطاعت قبول کر لی - اور حضور نبی کریم ﷺ کے دست مبارک پر نہایت اخلاص وارادتمندی سے بیعت کر لی - اس پر حضور نے ابو سفیان کی عزت افزائی کی خاطر ارشاد فرمایا - کہ مکہ میں اعلان کر دیا جائیگا کہ جو شخص ابو سفیان کے ہاں پناہ لیگا وہ محفوظ و مامون ہے - اور ابو سفیان کی موجودگی میں یہ بھی فرمایا - کہ ہر وہ شخص جو کعبۃ اللہ میں پناہ گزیں ہوگا - وہ محفوظ و مامون ہے - نیز یہ بھی اعلان فرمایا - کہ ہر وہ شخص جو اپنا دروازہ بند رکھیگا وہ بھی محفوظ و مامون ہے - اس جامع اعلان نے جو نہایت اعلیٰ درجہ کی دانشمندی پر مبنی تھا جادو کا اثر کیا - ابو سفیان خوش و خرم مکہ معظمہ میں واپس آیا - اور اپنی قوم کو مژدہ سنایا - کہ تم ہلاکت سے بچ گئے - تمہاری جان و مال و عزت بالکل محفوظ ہیں - رسول کریم ﷺ نہ کسی سے انتقام لینے کا ارادہ رکھتے

ہیں ۔ اور نہ ہی ان کو کسی کی رسوائی مطلوب ہے ۔ ابو سفیان کے اس کلام نے قوم کا خوف و ہراس دور کر دیا ۔ اور قوم کو اسبات پر آمادہ کر دیا کہ مزاحمت کرنا غیر مناسب ہوگا ۔ کیونکہ اب مزاحمت کرنا ہلاکت و بربادی کو دعوت دینا ہوگا ۔

ورود مکہ اور چند واقعات

جب اسلامی لشکر شہر مکہ میں داخل ہوا تو ایک محلہ میں سعد بن عبادہ سے جو ایک دستہ لشکر کا سردار تھا ۔ کسی شخص سے جھگڑا ہو گیا ۔ اس تنازع کے دوران میں فتحمند سردار کے منہ سے کہیں یہ نکل گیا ۔ کہ آج جنگ و جدل کا دن ہے ۔ اور حرمت کعبہ کا لحاظ نہ کیا جائے گا ۔ ابو سفیان نے خوفزدہ ہو کر حضور کی خدمت میں سعد کے ان عزائم کے خلاف شکایت کی ۔ اس پر حضور نے فرمایا ۔ سعد بالکل غلط کہتا ہے ۔ آج مکہ معظمہ میں ہر طرح کا امن و امان قائم کیا جائیگا ۔ اور آج کعبۃ اللہ کی حرمت و عظمت ملحوظ رکھی جائیگی ۔ اور سعد کو ان نا واجب کلمات کے استعمال کی وجہ سے معزول کیا جاتا ہے ۔ اس واقعہ نے اہل مکہ کو مسخر کرلیا ۔ اور ان کے دلوں میں اطمینان پیدا ہؤا ۔ اور ان کو یقین ہو گیا ۔ کہ رسول کریم ﷺ کے ہاتھ سے کسی شخص کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچ سکتا ۔ ورنہ فتحمند لشکر کے سپاہیوں اور کمانڈروں کے ظلم و تشدد کے خلاف

احتجاج کرنیکی جرأت کسی مفتوح قوم کو ہو سکتی ہے ؟ اور ان کی شکایت پر بھلا کمانڈر کو سزا دیجا سکتی ہے ؟ - سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار تھے - اور نہایت ممتاز انصاری تھے - علاوہ ازیں تمام جنگوں میں جوھر شجاعت دکھا چکے تھے - اور اپنے مخلصانہ ایثار اور جان بازی کی وجہ سے حضور نبی کریم ﷺ کے نزدیک نہایت قدر کے قابل تھے - باوجود ان تمام حقائق کے حضور نبی کریم ﷺ کی دانشمندی اور اخلاق فاضلہ کا اقتضا یہی تھا - کہ انکو عین فتح مکہ کے جلوس کے دوران میں معزول کر دیا جائے - اس قسم کا فوری فیصلہ ایسے حالات کے اندر سوائے حضور نبی کریم ﷺ کے اور کون دے سکتا ہے - یہ وہ اخلاق ھیں جو دلوں پر نہ مٹنے والا اثر ڈالتے ھیں - اس فیصلہ کے ساتھ ھی حضور نے خزرجی لشکر کی دلجمعی کے لئے حکم صادر فرمایا - کہ سعد بن عبادہ کے فرزند کو اس حصہ لشکر کا کمانڈر مقرر کیا جاتا ہے -

حرم کعبہ میں نماز ادا کرنے سے متعلق ایک واقعہ

خدا کو یاد کرنا اور اسکی عبادت کرنا حضور کی جبلّت میں تھا اور یہ حضور کی روح کی غذا تھی - چنانچہ ورود مکہ کے موقعہ پر پہلے تو حضور اپنی اونٹنی پر ھی سربسجود ہو گئے - پھر خانہ کعبہ میں جا کرنوافل ادا کرنے کا خیال آیا - اور عثمان بن طلحہ کو جسکے ہاتھ

میں بیت الحرام کی چابیاں تھیں کہلا بھیجا کہ ہمارے پاس چابیاں بھیج دو تاکہ ہم حرم شریف کی زیارت کریں - اور وہاں پر نوافل ادا کریں۔ عثمان نے چابیاں دینے سے شدت کیساتھ انکار کیا - اس پر حضرت علی اسکے پاس گئے اور اپنے زور بازو سے چابیاں چھین لائے - اور حضور کی خدمت میں پیش کیں - حضور خانہ کعبہ میں تشریف لیگئے اور عثمان کو مخاطب کرکے فرمایا - تم اکثر ہمیں اس جگہ نماز پڑھنے سے روکا کرتے تھے تمہیں یاد ہے ہم نے کہا تھا -

يَا عُثْمَانُ لَعَلَّكَ سَتَرَى هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِي

اَضَعُهُ حَيْثُ اَشَآءُ

ایک وقت آنیوالا ہے - کہ یہ چابیاں ہمارے ہاتھ میں ہونگی - اور ہم جس کو چاہینگے یہ چابیاں عطا کرینگے۔ خدا کی بات پوری ہوئی - اور اس نے یہ چابیاں ہمکو عطا کیں - لیکن ہم خوشی سے یہ چابیاں ہمیشہ کیلئے تمہیں اور تمہاری اولاد کو عطا کرتے ہیں - عثمان بن طلحہ اس لاجواب حلیمی اور اس فیاضی پر سو جان سے فدا ہو گیا - اور اس نے نہایت اخلاص کے ساتھ اور خوشدلی سے حضور کے ہاتھ پر مسلمان ہونیکی سعادت حاصل کی -

اُم ھانی کی زیارت

حضرت نبی کریم ﷺ اس دن صرف دو گھروں میں تشریف لیگئے۔

ایک تو خدا کا گھر تھا - اور دوسرا ام ھانی کا گھر - ام ھانی ابوطالب کی بیٹی تھیں - اور حضور کی چچا زاد بہن - سرور دو جہان ھو کر اور فاتح مکہ ھو کر اپنے چچا کی بیٹی کو یاد رکھنا اور چل کر ان کے گھر جانا نہایت بلند پایہ اخلاق کا اظہار ھے - ان کے گھر پہنچ کر پوچھا - ام ھانی کچھ کھانے کو ھے - ام ھانی نے عرض کیا کچھ نہیں - پوچھا کوئی باسی روٹی ھے - عرض کیا ھاں باسی روٹی موجود ھے - فرمایا لے آؤ - پھر پوچھا سالن ھے - عرض کیا سالن نہیں ھے - فرمایا پانی اور نمک لے آؤ - پھر پوچھا - گھر میں سرکہ ھے - عرض کیا سرکہ موجود ھے - فرمایا لے آؤ - پانی میں روٹی توڑ کر ڈال دی - اس پر کچھ نمک ڈالا اور کچھ سرکہ اور کھانا شروع کیا - اور فرمایا

نِعْمَ الْاُدْمُ الْخَلُّ

سرکہ سے بہتر اور کیا سالن ھوتا ھے - خوب مزے سے باسی روٹی کھائی اور ام ھانی کے دل کو باغ باغ کرکے واپس قیام گاہ پر تشریف لائے - ایسا مہمان ایسے اخلاق کا مالک کس گھر کو نصیب ھوگا -

کچھ وقت گذرنے پر ام ھانی حضور کی خدمت میں حاضر ھو کر شکایت کرنے لگیں

اِنَّ اَخِیْ عَلِیٌّ قَاتِلُ رَجُلاً اَجَرْتُہُ

میں نے ایک شخص کو پناہ دے رکھی ہے - لیکن میرا بھائی علی میرے ہاں پہنچکر اسکو قتل کرنا چاہتا ہے - حضرت علی کے ایمان کا تقاضا تھا کہ اس کافر کو قتل کرکے دم لیں - لیکن بہن کی سیرت کا تقاضا تھا کہ پناہ گزین کو گزند نہ پہنچنے دیں - اور اسکو ہر صورت میں بچائیں - اسی غرض سے ام ھانی نے حضور کی خدمت میں علیرض کی شکایت کی - اس پر حضور نے فرمایا -

اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ

جسکو تو نے پناہ دی ہے ہم بھی اسکو پناہ دیتے ہیں -

ھندہ کا دربار میں حضور کے سامنے پیش ہونا

ھندہ ابو سفیان بن حرب کی بیوی تھی - اپنے خاوند کی طرح یہ بھی اسلام کی اشد ترین دشمن تھی - خود میدان کارزار میں جا پہنچتی تھی - اور فوج کے جوانوں کو مشتعل کرتی تھی - یہ وہ ھندہ ہے جس نے حضرت حمزہرض کا جگر نکال کر اپنے دانتوں کے نیچے چبایا تھا - یہ نہایت ھی قابل اور جری القلب عورت تھی - جب حضور کے سامنے بھرے دربار میں حاضر ھوئی - تو نہایت بیباکی سے مکالمہ کیا - حضور نے ھندہ سے یہ اقرار لینا چاہا -

کہ میں بت پرستی نہ کرونگی - اور میں اولاد کو قتل نہ کرونگی -

اس پر ھندہ نے کہا - اصنام پرستی ترک کرنے کا اقرار بے سود

ہے - ان اصنام میں اگر کوئی طاقت ہوتی - تو ہم نے تو ان کے بچاؤ کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا - لیکن یہ خود کچھ نہ کر سکے- رہا بدکاری کرنا -

یَا رَسُوْلَ اللہِ اَلْحُرَّۃُ لَا تَزْنِیْ

شریف عورت ایسا کبھی نہیں کر سکتی - اس سے اس قسم کا اقرار لینا غیر واجب ہے - اور اولاد کے قتل نہ کرنے کا اقرار لینا بھی عجیب ہے-

رَبَّیْنَاھُمْ صِغَاراً وَ قَتَلْتَھُمْ کِبَاراً

ہم نے تو اولاد کو پال پوس کر جوان کیا اور آپ نے ان کو جوانی چڑھنے پر قتل کر دیا - اس پر حضور نے ہنس دیا - اور اس سے کسی قسم کا تعرض روا نہ رکھا -

عکرمہ بن ابی جہل

عکرمہ ابو جہل کا بیٹا تھا - اور

اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ

کا پورا مصداق تھا - اسکو اپنی کرتوت یاد تھی - خوف کے مارے مکان چھوڑ کر کہیں غائب ہوگیا - اسکی بیوی نے جب رسول کریم کے اخلاق کا مشاہدہ کیا - تو اس نے اپنے خاوند کو کہلا بھیجا - کہ بے خطر واپس چلے آؤ - اور حضور سے معافی مانگ لو - وہ واپس

آ گیا - اور حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگی - چنانچہ اسکو بغیر ملامت کے معاف کر دیا گیا -

الوحشی قاتل حمزہ

حضرت حمزہؓ حضور ﷺ کے نہایت ہمدرد چچا تھے - نہایت درجے کے شجاع تجربہ کار نبرد آزما مرد تھے - ان کی شہادت سے حضور نبی کریم ﷺ کو بے حد صدمہ پہنچا تھا - ایک شخص جس کا نام الوحشی تھا اس نے گھات لگا کر پیچھے سے حضرت حمزہ پر حملہ کر کے ان کو شہید کر دیا تھا - الوحشی فتح مکہ کے دن خوف کے مارے روپوش ہو گیا تھا - لوگ گھیر کر اسکو بھی حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے - اور اسکو بھی معافی دلانے میں کامیاب ہو گئے -

ھبّار

ھبّار نے پرلے درجہ کی سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا - حضور نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی جب مکہ سے مدینہ جانے لگیں - اور اونٹنی پر سوار ہوئیں - تو ھبار نے ان کی سواری پر اس زور سے پتھر پھینکا - کہ اسکی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ گر پڑی - اسکے گرنے کے ساتھ ھی حضرت زینبؓ بھی زمین پر گر پڑیں - اور ان کے بطن میں جو بچہ تھا وہ بھی گر گیا - جس سے وہ سخت بیمار ہو گئیں اور آخرش

اس تکلیف کی وجہ سے انتقال کر گئیں - حضور نبی کریم ﷺ کو اس سے نہایت سخت صدمہ پہنچا تھا - لیکن هبّار ایسے ظالم شخص کو بھی حضور علیه الصلواة والسلام نے معاف کر دیا -

ابن ابی سرح

ابن ابی سرح بھی خصوصی مجرمین میں سے تھا - وہ اپنے اعمال بد کی وجہ سے خائف تھا - اس نے اپنی جان بچانے کیلئے ایک بڑے آدمی یعنی حضرت عثمان کے هاں پناہ لی - حضرت عثمان نے جب معافی کا دور دورا دیکھا - تو وہ اپنے اس پناہ گزین کو دربار رسالت میں لے آئے - لوگ اس کے قتل کے درپے ہوگئے لیکن عثمانؓ نے اس کے بچاؤ کا مصمم ارادہ کر لیا ھوا تھا - جسطرح حضرت علیؓ اس مجرم کو قتل کرنا چاھتے تھے - جس نے انکی بہن ام ھانی کے ھاں پناہ لی تھی اور جس طرح ام ھانی ہر طرح سے اس پناہ گزین کو بچانے پر تلی ھوئی تھی - اسی طرح کا نقشہ ابن ابی سرح کے معاملہ نے پیدا کر دیا تھا - کوئی ایمانداری سے اسکو قتل کرنا چاھتا تھا اور کوئی ایمانداری سے اسکو بچانا چاھتا تھا - یہ نہایت بلند پایہ اخلاقیات کا مظاھرہ تھا - حضور نبی کریم ﷺ نے یہ سب کچھ دیکھا - اور فیصلہ دیا - کہ اسکو معاف کر دیا جائے - اور فرمایا - معافی دینے سے پہلے پہلے اگر کوئی شخص اسکو قتل کر دیتا تو مناسب ھوتا - اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میں تلوار سونتے کھڑا آپ کی آنکھ کی طرف دیکھ رھا تھا -

که حضور اشارہ کریں تو میں اس کا سر تن سے جدا کردوں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔

اِنَّ عَینَ الْاَنبِیَاءِ لَا تُومِضُ

پیغمبر کی آنکھ اشاروں سے کام نہیں لیا کرتی۔

ابو لہب کے دو بیٹے

ابو لہب اور اسکی بیوی دونوں اسلام کے اشد ترین دشمن تھے۔ ابو لہب اگرچہ حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ لیکن جان لیوا دشمن تھے۔ ان کی حد سے بڑھی ہوئی دشمنی کی وجہ سے قرآن کریم نے ان کی اور انکی بیوی کی حد سے بڑھی ہوئی بدبختی کا ذکر کیا ہے۔ اور اس لئے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ رشتہ داری بد اعمال لوگوں کو سزا سے نجات نہیں دلا سکتی۔ اور رشتہ داری بھی کس کی ؟ خود حضور سرکار دو عالم کی۔ اس ابو لہب کے دو بیٹے تھے۔ عتبہ اور معتب۔ جب انہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا تو حضور نبی کریم ﷺ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی دونوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر چلے۔ اور فرمایا۔ خدا نے آج میرے دو بھائی مجھے دلائے ہیں۔ جنکی وجہ سے میں مسرور ہوں۔

لَا تَثرِیبَ عَلَیکُمُ الیَومَ

اکا دکا معافی کا سلسلہ ختم ہوا۔ اسکے بعد حضور ﷺ نے تمام

مجمع کو مخاطب کیا - اور مختصر سی تقریر کی - اور

لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

کہہ کر تمام اہل مکہ کو معافی دے دی - تمام مجمع پر سکتہ کا عالم تھا - وہ لوگ اپنی بد اعمالیوں اور سفاکیوں کی سزاؤں کے تصور سے لرزہ بر اندام تھے - لیکن معاملہ اسکے بالکل بر عکس نکلا - یہ ہیں

رَحْمَةٌ لِلْعَالَمِيْنَ

تطہیر کعبہ

پھر کعبہ کی تطہیر کی طرف توجہ دی گئی - اس توحید کے گھر میں تین سو ساٹھ بت نصب کئے ہوئے تھے - ان کو ایک ایک کر کے وہاں سے گرا دیا گیا - حضور نے ایک ایک کی طرف اپنی چھڑی سے اشارہ کر کے یہ آیت تلاوت فرمائی -

جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً

حضور نبی کریم ﷺ کا دل اس ایمان سے لبریز تھا - کہ خدا تعالیٰ انہونی باتوں کو کر کے دکھا سکتا ہے - مکہ سے بت پرستی کا استیصال کرنا نہایت ہی مشکل کام تھا - اہل مکہ ان بتوں پر فدا تھے اور ان کی توہین برداشت نہ کر سکتے تھے - وہ ان کی حفاظت کے لئے جان و مال کی بازی لگائے بیٹھے تھے اس لئے حضور نے اس موقعہ پر

عرفان اور وجد میں ڈوبی ہوئی یہ آیت تلاوت کی۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ

بلال کی اذان کعبہ کی چھت پر

پھر حضور نے بلال رضؓ کو حکم دیا۔ کہ کعبہ کی چھت پر چڑھکر اذان دو۔ بلال کی آواز میں بے پناہ بلندی اور بے پناہ جذبہ تھا۔ علاوہ ازیں ان کی آواز اس قدر سریلی تھی اور اس قدر مؤثر تھی۔ کہ اس کے سننے سے دلوں پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ ان کی خوش الحان آواز سے مکہ کی وادی گونج اٹھی۔ اہل مکہ نے مشاہدہ کیا کہ یہ وہی بلال ہے جو غلامی کی ذلیل حالت میں یہاں زندگی بسر کرتا تھا۔ اور یہ وہی بلال ہے جس کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انتہا درجے کی اذیت دی جاتی تھی۔ یہ کالا کلونٹا غلام آج قابل رشک عزت کے مقام پر کھڑا خدا کی توحید کا نعرہ بلند کر رہا ہے۔ یہ مشاہدہ جہاں نہایت ایمان افروز تھا۔ وہاں حضور کے اخلاق فاضلہ کا بھی مظاہرہ تھا۔ حضور نہایت با وفا شخصیت کے مالک تھے چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ اپنے ساتھیوں کی عزت افزائی کرتے تھے۔ یہی تو بڑے آدمیوں کی علامت ہے۔ ورنہ چھوٹے دل کا لیڈر اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے نہیں دیتا۔

حضور ﷺ کی مکہ سے واپسی

حضور نے مکہ میں دس پندرہ دن قیام کیا۔ اپنے وطن کی

ایک ایک چیز کو محبت بھری نگاھوں سے دیکھا - کبھی اس مقام پر نفل پڑھتے اور کبھی اس پر - کبھی اس پہاڑی پر چڑھتے اور کبھی اس پر - کبھی اس بازار سے گذرتے - اور کبھی اس سے - کبھی مکہ کے اس باشندے سے محبت بھری گفتگو ہو رہی ہے اور کبھی اس سے - جب انصار نے حضور کی اس والہانہ محبت کو دیکھا - تو انہوں نے خیال کیا کہ اس مرد خدا کے دل میں وطن کی محبت کا ولولہ تازہ ہو گیا ہے اب مکہ ھی کو دارالخلافہ بنایا جائیگا اور حضور اسی جگہ رہ پڑینگے - یہ بات حضور کے کانوں تک پہنچی - اس پر حضور نے انصار کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا -

اَلْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ

میرا مرنا جینا آپ کے ساتھ ہوگا -

لَوْ سَلَكَ الْاَنْصَارُ وَادِيًا وَ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا لَسَلَكْتُ وَادِيَ الْاَنْصَارِ

حضور ﷺ میں اخلاص اور وفا کی صفات کوٹ کوٹ کر بھری تھیں - وہ انصار کی نصرت کو کبھی فراموش نہ کر سکتے تھے - مکہ ان کا وطن تھا - لیکن وفا نے اجازت نہ دی - کہ کام نکال لینے کے بعد مدینہ ترک کر کے اپنے وطن عزیز میں آ بیٹھیں اور وطن عزیز بھی

وہ جو

اَحَبُّ بِلَادِ اِلَی اللّٰہِ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ

تھا - دس پندرہ دن کے قیام کے بعد حضور ﷺ انصار و مہاجرین کی معیت میں مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے -

فتح مکہ ان نہایت قیمتی واقعات کا مرقع تھی - وہ واقعات قران کریم نے درج نہیں کئے - یہ واقعات حدیث میں درج ہیں - ان سبق آموز واقعات کو نظر انداز کر دینا پرلے درجے کی محرومی اور بد نصیبی ہے - قران کریم حقائق سے محبت کرنا سکھاتا ہے - حقائق کو رد کردینا قرآن کریم کی تعلیمات کے منافی ہے - منکرین حدیث اس پر غور کریں -

علاوہ ازیں حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا ہے - اسوہ اعمال میں اور معاملات میں ظاہر ہوتا ہے - اعمال کا ذکر حدیث میں ہے نہ کہ قرآن میں - اسلئے قرآن کریم کے حکم کے بموجب اسوہ حسنہ پر چلنے کیلئے حدیث کا علم حاصل کرنا از بس ضروری ہے - اور ایسا نہ کرنا خلاف ورزی حکم الہٰی ہے -

سورۃ الفیل کی تفسیر

منکرین حدیث کے لئے یہ امر ممکن نہیں ہے - کہ وہ سورۃ الفیل کی تفسیر بیان کر سکیں - کیونکہ اُن کے لئے ''اصحاب الفیل'' کا ترجمہ

کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح سے ''کَیْدُ ھُمْ'' کا ترجمہ کرنا بھی مشکل ہے۔ جب عرب میں فیل نہیں پایا جاتا - تو اصحاب الفیل کہاں سے پیدا ہوگئے - وہ کون تھے - اور ان کا کید یعنی تدبیر کیا تھی - وہ تدبیر کب اور کسطرح عمل میں لائی گئی پھر اس تدبیر کو کس طرح بے کار کر دیا گیا - اس کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں - یہ سورت ایک مشہور تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہے - جس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے - یہ واقعہ تاریخ عرب میں مذکور اور مشہور ہے اور جس سال یہ واقعہ پیش آیا اس سال کا نام ھی عام الفیل ہے - یعنی وہ سال جس میں ہاتھی والوں نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا تھا - اس حملہ کی وجہ تاریخ عرب میں یوں بیان کی گئی ہے - کہ یمن میں شاہ حبش کی حکومت تھی وہاں اسکی طرف سے ایک گورنر مقرر تھا - جسکا نام ابرھہ تھا - شاہ حبش اور ابرھہ دونوں عیسائی تھے - ان دنوں مکہ معظمہ تجارت کا بہت بڑا مرکز تھا - عراق و شام اور یمن کے تجارتی مال یہاں آ کر فروخت ہوتے تھے - چونکہ اھل عرب کے دلوں میں کعبۃ اللہ کی حرمت و عظمت کا بے پناہ جذبہ تھا - اسکی وجہ سے لوگ وہاں کھچے چلے آتے تھے - اسطرح کعبۃ اللہ تجارت کے فروغ کا بہت بڑا باعث تھا - عیسائی اس مرکز کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسلئے ان کا یہ ارادہ ھوا - کہ کسی نہ کسی طرح یمن کو تجارت کا مرکز بنایا جائے - اس منصوبہ کے پیش نظر ابرھہ نے

اپنی حکومت کے مشورہ سے صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا تعمیر کیا۔ اس گرجا کی شان بڑھانے کے لئے بے انداز دولت سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھر مہیا کرنے پر صرف کر دی گئی - اور اس پر سونے اور چاندی کا کام کیا گیا۔ اور اسکی وسعت اور اسکی بلندی کی طرف خاص طور پر توجہ دی گئی ہے۔ تا کہ کعبۃ اللہ کی سادہ سی عمارت اس شاندار اور زرق برق گرجا کے سامنے ماند پڑ جائے۔ اور لوگ اسطرف کھچے چلے آئیں۔ لیکن یہ عمارت ابرھہ کے مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رھی۔ اس ناکامی و مایوسی نے ابرھہ کو یہ ناپاک سبق پڑھایا۔ کہ کعبۃ اللہ کو مسمار کر دیا جائے۔ تا کہ لوگوں کی کشش کا باعث مٹ جائے۔ اور لوگ مجبور ھو کر صنعا کے گرجے کو مرکز بنا لیں۔ اس مکاری کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ابرھہ نے افریقہ سے ھاتھی منگوائے۔ یہ مہیب جانور ان لوگوں کے دلوں میں بھی جنہوں نے ان کو کبھی کبھی دیکھ لیا ھوتا ھے۔ دھل پیدا کرتا ھے لیکن اھل مکہ نے تو ھاتھی کبھی دیکھا نہ تھا۔ اسلئے اھل مکہ کو خوفزدہ کرنے کی غرض سے ایک جرّار لشکر کے ساتھ ھاتھیوں کا استعمال کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

ابرھہ اور اس کے لشکر کا نام اصحاب الفیل ھے۔ اور ان کی مذکورہ بالا مکاری کیدھم ھے۔

جب یہ لشکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ھوا تو اھل مکہ

خوف و هراس کا شکار ہو کر شہر کو چھوڑ پہاڑوں کی چوٹیوں پر جا چڑھے - دشمن نے ان کے اونٹ اور مویشی اپنے قبضہ میں کرنے شروع کر دئے - چنانچہ عبد المطلب کے چار سو اونٹ ان کے ہاتھ آگئے - عبد المطلب اس ساری وادی کے عظیم ترین سردار تھے - ان کے اونٹ دشمن کے قبضہ میں چلے جانا ان کے لئے ذلت و عار کا موجب تھا - اسلئے عبد المطلب نے پیغام بھیجا کہ ہمارے اونٹ واپس کر دئے جائیں - ابرھہ نے خواھش ظاھر کی کہ سردار قوم عبد المطلب سے ھم بالمشافہ گفتگو کرنا چاھتے ھیں - چنانچہ عبد المطلب ان کی ملاقات کو جا پہنچے - اور اپنے اونٹ واپس لینے کا مطالبہ کیا - اس پر ابرھہ نے طنزاً کہا - کہ میں آپ کو بہت دانا یقین کرتا تھا - لیکن آپ نے خانہ کعبہ کے متعلق تشویش ظاھر کرنے کی بجائے اونٹوں کا تذکرہ کرنا پسند کیا ھے - عبد المطلب نے کہا -

اَنَا رَبُّ الْاِبِلِ

یعنی میں اونٹوں کا مالک ھوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک ھے -

وَاِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا

رب کعبہ کو ضرور اپنے گھر کی فکر ھے - وہ اسکی حفاظت کریگا - اسلئے میں بے فکر ھوں - چنانچہ وھاں سے واپس آکر کعبہ کے دروازہ

کے حلقے کو پکڑا تو ذیل کی دعا ان کے درد بھرے دل سے پھوٹی -

لَاهُمَّ اِنَّ الْمَرْءَ يَمْنَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ رِحَالَكَ

ہم کو کیوں فکر ہو جب ہر انسان طبعاً اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے - اے مولا تو اپنے گھر کی حفاظت کر -

وَانْصُرْ عَلٰى آلِ الصَّلِيْبِ وَعَابِدِيْهِ الْيَوْمَ آلَكَ

ال صلیب اور صلیب کے پر ستاروں کے مقابلہ پر آج اپنی قوم کی نصرت فرما -

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيْبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ مِحَالَكَ

ان کی صلیب اور ان کی طاقت تیری طاقت پر ہرگز غالب نہ آنے پائے -

خدا نے عبد المطلب کی دعا کو قبولیت بخشی - لشکر اور خود ابرھہ اور ان کے ھاتھی ایسی خطر ناک بیماری میں مبتلا ہوئے - کہ ان پر بے بسی کا عالم طاری ہو گیا - ان کا گھمنڈ ٹوٹ گیا - اور ان کی مکاری خاک میں مل گئی - لکھا ہے - ابرھہ کا تمام جسم پھنسیاں بن گیا - جسکی وجہ سے اسکو شدید قلق لاحق تھا - اور اسکی روح اپنی ناکامی کے باعث عذاب میں مبتلا تھی - اسکے ساتھی بیماری کے سبب عجز کی تصویر بنکر رہ گئے - اسکے لشکر نے

تڑپ تڑپ کرجان دی وہ خود ہی مر گیا۔ غرض خدا کی غیرت اور قدرت جلوہ گر ہوئی اور اس نے دشمن کی طاقت اور مکاری کو خاک میں ملا دیا۔

اس مشہور اور عبرت انگیز تاریخی واقعہ کے پیش نظر فرمایا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ

کیا تجھے علم نہیں ہے کہ تیرے رب نے اصحاب فیل کی طاقت کو کسطرح توڑا اور انہیں کسطرح پائمال کر کے رکھدیا۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِیْ تَضْلِيْلٍ

اور کیا اس نے ان کے مکارانہ منصوبہ کو بالکل برباد نہ کر دیا تھا۔
ان دو آیات

اَلَمْ تَرَ اور اَلَمْ يَجْعَلْ

میں دو دفعہ استفہام استعمال کیا گیا ہے تاکہ ابرھہ کی وہ بے انداز طاقت اور اسکی وہ خطرناک مکاری سامنے آجائے جس کے مقابل پر کوئی انسانی طاقت کارگر نہ ہو سکتی تھی بلکہ ہولناک تباہی یقینی تھی۔ ایسے مشکل وقت پر تیرے رب کی غیرت جوش میں آئی۔ اور اس کی قدرت ظہور پذیر ہوئی۔ اور اس نے دشمن پر ہلاکت و بربادی پورے طور پر مسلط کر دی۔ وہ رب جو اپنے اینٹ پتھر کے گھر کے لئے یہ غیرت رکھتا ہے۔ وہ تیرا رب ہے۔ اس نے تجھے اپنا رسول منتخب کیا ہے وہ تیرے لئے بھی غیرت رکھتا ہے۔

اس لئے جو تیری رسالت اور تبلیغ کو برباد کرنے کا ارادہ کریگا ۔ اس کو تباہ و برباد کر دیا جائیگا ۔

سورۃ الفیل کا یہ تاریخی پس منظر ہے ۔ اس پس منظر کے منکر حدیث کیلئے اس سورۃ کا ترجمہ کرنا بھی محال ہے اور تفسیر کرنا نا ممکن ہے ۔ افسوس صد افسوس جس راستے پر وہ چلنا چاہتا ہے ۔ وہ گمراہی کا راستہ ہے ۔ وہ حدیث کو ترک کرتا ہے ۔ خطرہ ہے کہ وہ قرآن کو بھی ترک نہ دے ۔

سورہ عبس کی تفسیر

منکر حدیث قرآن کریم کی اس سورۃ کی تفسیر بیان کرنے سے عاجز ہوگا ۔ حدیث کے علم کے بغیر وہ کس طرح تعین کر سکتا ہے کہ

عَبَسَ وَ تَوَلّٰی

کس شخص کا نقشہ کھینچتا ہے ۔ اور وہ کس طرح بتا سکتا ہے ۔ کہ

اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی

میں کس نابینا کا ذکر ہے اور

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی

ایک فرد کیلئے استعمال ہوا ہے یا چند افراد کے لئے ۔

حدیث شریف ان آیات کی وضاحت کرتی ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک

دفعه حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں صنادید قریش ۔ عتبہ بن شیبہ ربیعہ بن شیبہ و ابوجہل وامیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ حاضر ہوئے حضور ان سے گفتگو کر رہے تھے ۔ تو عبد اللہ بن ام مکتوم بھی آ پہنچے اور انہوں نے حضور سے کچھ سوالات پوچھے ۔ حضور نے اسکو برا منایا ۔ اور اس کی طرف التفات نہ کی ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی ۔ ظاہر ہے اس میں عتاب کا رنگ ہے ۔ کہ آپ ان لوگوں کی طرف زیادہ متوجہ رہے ۔ جن کے مزاج میں استغناء ہے ۔ اور اس شخص سے بے رخی برتی ۔ جو کوشش کرکے حاضر خدمت ہوا ۔ اور جس کی نسبت توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ آپ کی صحبت سے فیضیاب ہو ۔

حضرت نبی کریم ﷺ کے قلب صاف کی یہ تصویر ہے ۔ کہ اپنے متعلق عتاب نازل ہوا ۔ تو اس کو شائع کر دیا ۔ اور اس کے بعد جب کبھی ابن ام مکتوم کو دیکھا تو پیشقدمی کرکے اسے کہا

مَرْحَبًا بِمَنْ عَاتَبَنِیْ رَبِّیْ فِیْهِ

میں اس شخص کا خیر مقدم کرتا ہوں ۔ جس کے بارے میں میرے رب نے مجھے عتاب کیا تھا ۔ حضور نبی کریم ﷺ نے دو دفعہ جب کہ آپ مدینہ سے باہر جہاد کے لئے نکلے تو ابن ام مکتوم کو مدینہ

میں اپنا قائمقام حاکم مقرر فرمایا - یہ بہت بڑی عزت افزائی ہے جو کسی کو نصیب ہو - کتب احادیث میں لکھا ہے -

اِسْتَخْلَفَهُ عَلَى الْمَدِيْنَةِ مَرَّتَيْنِ

اس سے یہ امر بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خدا رب العالمین ہے - ایک غریب و بیکس شخص کی حمایت کرتا ہے - اور وہ بھی اپنے حبیب کے مقابلہ پر -

سورۃ المجادلۃ

منکر حدیث کو المجادلہ کے متعلق کوئی علم نہیں ہے - کہ وہ کون عورت تھی جس نے حضور کے ساتھ مجادلہ کرنے کی جسارت کی تھی - نیز یہ کہ اس کے مجادلہ کو اس قدر پسند کیا گیا ہے - اور اس کی اس قدر عزت افزائی کی گئی ہے کہ سورہ کا نام ہی المجادلہ رکھ دیا ہے -

اگرچہ حضور نبی کریم ﷺ پر مسلمان پروانہ وار فدا تھے - اور ان کے ہر حکم پر اخلاص و محبت کے ساتھ لبیک کہتے تھے - لیکن حضور نے قوم کے اندر جذبہ حریت کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا - ہر شخص کھلے بندوں اپنے مافی الضمیر کا اظہار کر سکتا اور اپنی رائے کو مضبوط کرنے کے لئے دلائل پیش کر سکتا تھا - یہاں تک کہ عورتیں بھی حضور سے بحث کر لیتی تھیں - ان میں سے

ایک خولــہ تھیں۔ جس نے حضور سے مجادلہ کیا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب کے مقابلہ پر اس کی فریاد اور شکایت کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمایا۔

قَدْ سَمِعَ اللهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْٓ اِلَی اللهِ

منکر حدیث فی زوجها کا ترجمہ بغیر حدیث کی مدد کے کس طرح کر سکتا ہے۔ یہ زوج اوس بن صامت تھے۔ منکر حدیث قطعاً اس بات کو بغیر حدیث کی مدد کے نہیں بتا سکتا۔ کہ اس عورت نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ کس بات کے متعلق جھگڑا کیا تھا۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ اوس بن صامت نے خفگی میں اپنی بیوی خولہ کو ماں کہہ دیا تھا۔ خولہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں اس معاملــہ کی رپورٹ کی اس پر حضور نے فرمایا۔

حُرِّمْتِ عَلَیْهِ

یہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ خولہ نے عرض کیا میرا خاوند میرے بچوں کا باپ ہے۔ اتنے لفظ کہہ دینے سے میں اس پر حرام کیسے ہو گئی فرمایا

حُرِّمْتِ عَلَیْهِ

یہ عورت اس پر حرام ہو گئی ہے - اس نے عرض کیا -

اِنَّ ضَمَمْتُهُمْ اِلَيْهِ ضَاعُوْا وَاِنْ ضَمَمْتُهُمْ اِلَيَّ جَاعُوْا فَقَالَ حُرِّمْتِ عَلَيْهِ

خولہ نے عرض کیا - کہ اگر ان بچوں کو باپ کے حوالہ کر دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے - اور اگر اپنے پاس رکھ لوں تو بھوکوں مر جائیں گے - اس پر حضور نے فرمایا - حرمت علیہ - اس پر وہ بولی

اَشْكُوْا اِلَى اللهِ

میری التجا خدا کے حضور میں ہے - خدا تعالیٰ جو رب العالمین ہے - اس نے اپنے رسول کے مقابلہ پر ایک عورت کی فریاد قبول کی - اور اس کے حق میں فیصلہ دیا - کہ اس طرح خاوند کے ماں کہہ دینے سے بیوی حرام نہیں ہو جاتی - البتہ ایسا کہنا جرم قرار دیا جاتا ہے - کیونکہ ایسا کہنے سے بیوی کی سخت توہین ہوتی ہے - اس لئے اس سے رُکنا چاہئے - اور اس جرم کی سزا یہ ہے - کہ مجرم ساٹھ دن کے روزے رکھے - جب یہ حکم خولہ نے سنا تو اب اپنے خاوند کی حمایت پر تل گئی - اور کہنے لگی وہ بوڑھا آدمی ہے - ساٹھ دن کے روزے اس کی ہلاکت کا موجب ہونگے - اس پر حضور نے فرمایا -

تو وہ ساٹھ آدمیوں کو کھانا کھلا دے۔ اس کے جواب میں پھر خولہ نے خاوند کی حمایت کی۔ وہ تو بالکل نادار ہے۔ ساٹھ آدمی کو کھانا کہاں سے کھلاوے۔ یہ سنکر حضور نبی کریم ﷺ نے خود اس کی طرف سے فدیہ ادا کرنے کا انتظام کر دیا۔

یہ سورۃ نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے عورت ذات کی قدر و منزلت قائم کی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس کا یہ اثر تھا۔

اِنَّهُ كَانَ اِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ اَكْرَمَهَا وَقَالَ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ لَهَا

یعنی جب کبھی خولہ حضرت عمرؓ کی ملاقات کے لئے آتیں تو وہ ان کا احترام کرتے تھے۔ اور کہتے تھے یہ وہ عورت ہے جس کی بات خدا نے سنی تھی یہ لوگ قرآن‌دان تھے جن کا عمل قرآن پر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں خولہ زندہ تھیں۔ ایک دن خولہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو راستہ میں کھڑا کرلیا۔ اور ان سے یوں مخاطب ہوئی

قَالَتْ يٰهَيَّا عُمَرُ عَهِدْتُكَ وَكُنْتَ عُمَيْراً فِي سُوْقِ عُكَاظٍ فَلَمْ تَذْهَبِ الْاَيَّامُ حَتّٰى صِرْتَ عُمَرَ ثُمَّ لَمْ تَذْهَبِ الْاَيَّامُ حَتّٰى سُمِّيْتَ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

یعنی میرے سامنے کی بات ہے تم کو عمرا کہتے تھے - اور کچھ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ آپ عمرے سے عمر ہو گئے - اور پھر کچھ عرصہ گذرنے نہ پایا کہ آپ کا نام امیر المؤمنین ہو گیا - ہماری بات سنو -

فَاتَّقِ اللّٰهَ فِی الرَّعِیَّةِ

رعیت کے معاملہ میں خدا سے ڈر کر چلنا - اور یہ بات یاد رکھو

وَاعْلَمْ اِنَّهُ مَنْ خَافَ الْمَوْتَ خَشِیَ الْفَوْتَ

جس کو موت یاد ہو وہ نیکی کرنے کے موقعہ کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا - اور

مَنْ خَافَ اللّٰهَ قَرُبَ عَلَیْهِ الْبَعِیْدُ

جو خدا خوفی اختیار کرتا ہے - دور کی باتیں اس کے لئے قریب ہو جاتی ہیں-

یہ مکالمہ جاری تھا کہ کسی نے عرض کیا - یا امیرالمؤمنین اس عورت کی باتیں سنتے سنتے ازدہام کے باعث راستہ بھی بند ہو گیا ہے - فرمایا تم نہیں جانتے

هٰذِهِ الَّتِیْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَهَا فَوْقَ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ فَعُمَرُ

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ یَّسْمَعَ لَهَا

یہ وہ عورت ہے - جس کی بات کو خدا تعالیٰ نے فوق سبع سماوات

سنا - رها عمر خدا کی قسم - اس کے لئے واجب ہے - کہ اس کی بات پر کان دھرے -

منکرین حدیث غور کریں اور فیصلہ دیں کہ علم و عرفان کے یہ خزینے رد کرنے سے انہوں نے اپنے تئیں یا دنیا کو کیا فائدہ پہنچایا ہے اور وہ غور کریں کہ کیا ان حقائق کو رد کر دینے سے وہ قرآن دان ثابت ہوتے ہیں یا منکر قرآن -

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ...... فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

منکر حدیث کیلئے اس آیت کا ترجمہ سمجھنا مشکل ہے - صنادید قریش اپنی شان و شوکت پر تکبر و فخر کرتے تھے - اور ان کے ذہنوں میں یہ بات سما چکی تھی کہ غربا اور چھوٹے لوگ ان کی مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے - آج بھی ہندوستان کے بعض علاقوں میں ایسے راجپوت بستے ہیں جو غربا کی مجلس میں ہرگز شریک نہیں ہو سکتے - رسول کریم ﷺ نے عرب کے ایسے سرداروں میں انقلاب پیدا کرنے کے لئے غربا سے محبت و پیار کرنا شروع کیا - ان کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتے - اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے - اس طرح آپ نے ان کو سوسائیٹی میں عزت کی جگہ

عطا کی - قریش کے سرداروں کو یہ رنگ نہایت ناگوار گذرا - اور انہوں نے اس قسم کے لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا اپنے لئے مزیل شان سمجھا - چنانچہ انہوں نے ابوطالب کے پاس شکایت کی کہ آپ کے بھتیجے نے غربا کو اپنی مجلس میں بٹھا کر روایات قومی کو پاؤں تلے روند دیا ہے - اور ان غربا کی موجودگی میں ہمارے لئے ان کی مجلس میں بیٹھنا محال کر دیا ہے -

اللہ تعالیٰ نے فرمایا - ان متکبر لوگوں کی خاطر ان منکسرالمزاج لوگوں کو جو رضائے الٰہی کے طالب بنکر صبح و شام عبادت میں سر گرم رہتے ہیں - اپنی مجلس سے نہ نکال دینا - اگر ایسا کروگے تو یہ ظلم ہوگا - یہ غربا کون تھے ؟ بلال - یاسر - عمار - زید - صہیب - انس ایسے درجے کے لوگ تھے - جب یہ آیت نازل ہوئی - تو انہوں نے اس پر فخر کا اظہار کیا - کہ قرآن کریم کی یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے - اور وہ بیان کرتے تھے -

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَقْعُدُ مَعَنَا وَ يَدْنُوْ مِنَّا حَتّٰى تَمَسَّ رُكْبَتُهٗ رُكْبَتَنَا وَكَانَ يَقُوْلُ مَعَكُمُ الْمَحْيَا وَ مَعَكُمُ الْمَمَاتُ

یعنی حضور ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھتے تھے - اور اتنا قریب ہو جاتے تھے - کہ حضور کا گھٹنا ہمارے گھٹنوں کے ساتھ لگتا تھا اور حضور

فرمایا کرتے تھے - میرا مرنا اور میرا جینا تمہارے ساتھ ہوگا -

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

تو کلام الٰہی میں حکم ہے - اس کی تعمیل ہوئی یا نہ ہوئی - یہ تو رسول کریم ﷺ کے عمل سے ظاہر ہوگا - عمل کا نام حدیث ہے - اس عمل یا حدیث کے بغیر اس حکم کے سن رکھنے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے - علم سے عمل زیادہ مؤثر ہے - کہتے ہیں پاکستان کے تصوّر کا فخر علامہ اقبال کو حاصل ہے - اور اس پر عمل کرنے اور اس کو وجود میں لانے کا فخر قائداعظم محمد علی جناح کو حاصل ہوا - ان دونوں میں سے کس کی عظمت زیادہ ہے - یقیناً اس شخص کی جس نے قول کو عملی جامہ پہنایا - کیا منکرین حدیث اس شخصیت کی تحقیر تو نہیں کر رہے - جس نے احکام الٰہی پر عمل کرکے دکھایا - وہ

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

کا بھی مصداق ہے - اور

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

کا بھی مصداق ہے - اگر غور کروگے تو نظر آئیگا کہ حضور ﷺ

کے نظریات بھی بلند ہیں اور حضور ﷺ کا نمونہ بھی فقیدالمثال ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ○ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ○

منکرین حدیث اس آیۃ کریمہ کی تفسیر اس وقت تک نہیں کر سکتے۔ جب تک چوری چھپے اس کے متعلق واقعات کا علم حدیث سے حاصل نہ کر لیں۔ یہ رسول کریم کے لئے ایک حکم ہے۔ اس حکم پر رسول کریم نے کس حد تک اور کس رنگ میں عمل کیا۔ یہ حدیث ہی بتا سکتی ہے۔ لکھا ہے کہ طعمہ نامی ایک انصاری اور ایک یہودی کا مقدمہ حضور کے سامنے پیش ہوا۔ یہودی بیان کرتا تھا۔ کہ طعمہ نے زرہ چرا کر اس کے گھر میں ڈال دی ہے۔ طعمہ انکاری تھا۔ اور اس کے قبیلے کے لوگ حضور کے سامنے بیان دیتے تھے۔ کہ طعمہ بے گناہ ہے۔ اور یہودی خبیث جھوٹ بول کر مسلمانوں کو بدنام کرنا چاھتا ہے لیکن تفتیش نے حضور پر روشن کر دیا۔ کہ یہودی بے گناہ ہے اور طعمہ نے ہی چوری کا ارتکاب کیا ہے۔ حضور نے

یہودی کو بری کر دیا۔ اور طعمہ کیلئے سزا کا حکم صادر کر دیا۔ جب حضور عدل و انصاف کرنے لگتے۔ تو اشد ترین دشمن کی حق رسی فرماتے اور محبوب ترین دوست کے خلاف بھی عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ دیتے تھے۔ خدا تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کہ قضا کے فرائض کی ادائیگی نہایت ھی مشکل اور نہایت ھی نازک ہے۔ اس لئے یہ تعلیم دی کہ مقدمات کا فیصلہ دے کر استغفار پڑھا کرو۔ یعنی خدا سے اپنی تقصیر بخشوانے کے لئے مغفرت مانگا کرو۔

حضور نے قضا کی نزاکت اور اس کی مشکل کے پیش نظر اپنے متعلق ایک نہایت ھی قدر کے قابل بات ارشاد فرمائی۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَ رُبَّ بَعْضُکُمْ اَلْحَنُ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِیْ عَلٰی نَحْوِمَا اَسْمَعُ فَمَنْ قَضَیْتُ لَہٗ بِحَقِّ اَخِیْہِ فَلَا تَأْخُذَنَّ فَاِنَّمَا اَقْضِیْ لَہٗ قِطْعَۃً مِّنَ النَّارِ

میں بشر ہوں۔ تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو۔ اور ایسا ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات ایک شخص دوسرے کے مقابلے پر زیادہ لسّان ہوتا ہے۔ اسلئے جس طرح معاملہ میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے میں اس کے مطابق فیصلہ دیتا ہو۔ اندریں حالات اگر میں کسی شخص کے حق میں ایسا فیصلہ دوں۔ جس کی رو سے اس کے بھائی کا حق مارا

جائے۔ تو اسے یہ مال نہ لینا چاھئیے ۔ کیونکہ اگرچہ فیصلہ میرا ھی ہوگا۔ لیکن اس کے لئے اس کا لے لینا گویا دوزخ کی آگ کا ٹکڑا لے لینا ہوگا۔ اور فرمایا -

اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ

اپنے دل سے فتویٰ پوچھا کرو - کیونکہ تم خود حق اور ناحق کے درمیان تمیز کر سکتے ہو - اگر حاکم کا فتویٰ تمہارے حق میں ہو - اور تمہارے نزدیک وہ غلط ہو۔ تو حاکم کے غلط فیصلہ کی بنا پر اپنے بھائی کا مال نہ کھا جاؤ ۔ حتیٰ کہ خود رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی وجہ سے حرام کا مال حلال نہیں بن جاتا ۔ اس طرح رسول خدا نے اپنی قوم کو باریک تقویٰ اور دیانتداری کا سبق دے کر ان کو نہایت بلند مقام پر پہنچا دیا تھا ۔ جس کی وجہ سے وہ معزز ترین قوم بنگئی تھی - کیا ان اخلاق کا مطالعہ کرنا حرام ھے - جن کا ذکر حدیث کے سوا اور کہیں نہیں مل سکتا - منکرین حدیث غور کریں - کہ جو طریق انہوں نے اختیار کر رکھا ھے ۔ وہ کسقدر بد قسمتی و بد نصیبی کی راہ ھے ۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ

منکرین حدیث اس سورۃ کا ترجمہ نہیں کر سکتے - وہ کسطرح

جان سکتے ہیں کہ ابو لہب کون تھا اس بات کا ذکر صرف حدیث میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ابو لہب حضور کے چچا تھے اور عبدالعزیٰ ان کی کنیت تھی ۔ اس کے چہرے پر سفیدی و سرخی شعلہ زن تھی ۔ اس وجہ سے اس کو ابو لہب کہتے تھے - یہ شخص صاحب عزت و ثروت تھا اور صاحب حشم و خدم تھا - اس کو اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا ۔ شدید مخالفت کے باعث وہ مصمم ارادہ کر چکا تھا ۔ کہ وہ حق کو مٹا کر رہے گا - لیکن حق کے دشمن خود برباد ہو جاتے ہیں ۔ چنانچہ وہ بھی نامراد مرا ۔ اور خدا تعالیٰ نے ایسا کرنے سے ثابت کر دیا - کہ حق کی عداوت کرنیوالوں کی عزت و شرف اور ان کی ثروت خاک میں ملا دی جاتی ہے ۔ اور رشتہ داری کام نہیں آتی ۔ حتّٰی کہ رسول‌اللہ کی رشتہ داری بھی چچا کے کام نہ آ سکی ۔ بادشاہوں کے بدکار رشتہ داروں کا ذکر بد مشہور نہیں ہونے دیا جاتا - لیکن سرور کائنات نے ایسے نازک معاملہ میں حق پرستی قائم کر کے دکھائی ۔ حضور اکثر اپنے عزیز و اقربا کو جمع کر کے فرمایا کرتے تھے ۔

لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئاً

یعنی خدا کے مقابلہ پر میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا ۔

وَلَا اَمْلِکُ لَکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئاً

اور خدا کے مقابلہ پر مجھے کوئی اختیار نہیں کہ میں تمہیں بچا سکوں ۔

بلکه اس کے بر عکس آپ نے ایک قیمتی قانون بیان فرمایا۔

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَّ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ کَانُوْا حَیْثُ کَانُوْا

میرے قریبی وہ ہونگے - جو خدا خوف اور نیک عمل ہونگے - وہ کسی قوم سے ہوں اور کسی وطن کے ہوں - چنانچہ حضور کا چچا حضور کے قریب رہ کر غلط راستہ اختیار کرنے کے باعث عذاب الٰہی سے بچ نہ سکا - اور نجاشی جس کے ساتھ کوئی دور کا بھی رشتہ نہ تھا اور جو سیاہ فام تھا - اور دور افتادہ ملک یعنی افریقہ کا باشندہ تھا - حق پرستی اختیار کرنے کی وجہ سے خدا کا مقرب ہوگیا - جب اس کا انتقال ہوا تو حضور نے نماز جنازہ میں اس کے لئے دعائے مغفرت مانگی - جو حضور کے چچا ابو طالب کو نصیب نہ ہوئی - حضور کا دین معقول اور عالمگیر ہے - اس لئے قران کریم نے اس اہم اصول اور اہم واقعہ کو ہمیشہ کے لئے ریکارڈ کر دیا ہے -

منکرین حدیث اس پر غور کریں کہ وہ طریق جو انہوں نے اختیار کر رکھا ہے - کسقدر غیر معقول اور کسقدر غیر مفید ہے یہ طریق اختیار کرنا قرآن کریم سے دشمنی کرنا ہے اور قرآن کریم کے فہم و تعلیم سے محروم رہنا ہے -

یہ چند حقائق وشواہد ہیں - جو قران کریم سے پیش کر کے ایسے لوگوں پر حجت قائم کی گئی ہے - جو احادیث کا انکار کرتے ہیں

اور اپنی قرآن دانی پر فخر کرتے ہیں -

بعض منکرین حدیث تو ان میں ایسے ہیں - جو رسول کا وجود غیر ضروری قرار دیتے ہیں - ان کے نزدیک قرآن کریم کے ہوتے ہوئے - رسول کریم ﷺ کے ارشادات کی طرف توجہ کرنا ایک عبث فعل ہے - ان کے علاوہ وہ بھی ہیں - جو حدیث کو دو قسموں میں تقسیم کر کے صرف سنت رسول کو مانتے ہیں - اور اس کے ماسوا سارے خزینہ احادیث کو رد کر دیتے ہیں - اور وہ بھی ہیں جو ان احادیث کے اس حصہ کو رد کر دیتے ہیں - جن میں پیشگویاں درج ہیں - یا جن میں رؤیا یا کشف درج ہیں -

یہ دین کے دشمن ہمارے زمانے کی پیدائش ہیں - ان کی پیدائش پر دشمن بہت خوش ہے - انہوں نے مسلمانوں کی عقیدتمندی کو بہت نقصان پہنچایا ہے - اس نقصان کا تدارک کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے - اور قرآن کریم کی آیات بینات سے ثابت کیا گیا ہے - کہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لانا اور حضور کی توقیر کرنا اور حضور کے ارشادات کی تعمیل کرنا قرآن کریم کی تعلیمات کا نہایت اہم حصہ ہے - قرآن کریم کہتا ہے - کہ حضرت نبی کریم ﷺ کی بعثت حضرت ابراهیم کی دعا کا نتیجہ ہے - حضرت ابراهیم علیہ السلام نے دعا کی تھی -

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

اور یہ دعا قرآن کریم کے علاوہ توراۃ میں بھی درج ہے - حضرت ابراہیم کا نام اسلئے لیا گیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ و مشرکین عرب کے نزدیک نہایت ہی بزرگ ہستی شمار ہوتے ہیں - اسلئے توقع کی جاسکتی تھی کہ یہ لوگ حضور کی رسالت پر ایمان لے آئینگے - حضرت ابراہیم کی اس دعا کے پیش نظر حضور ﷺ نے فرمایا -

اَنَا دُعَاءُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ

حضرت عیسیٰ نے بھی انجیل میں حضور کی نسبت پیشگوئی کی تھی جس کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے - فرمایا -

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ

اور سورۃ الصف میں حضرت عیسیٰ کی زبانی فرمایا -

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ

اس کا ذکر زبان نبوی پر یوں جاری ہوا -

اَنَا بَشَارَةُ اَخِیْ عِیْسٰی

انجیل میں یہ بشارت یوحنا باب ۱ آیت ۲۱ میں مندرج ہے - ان دو

نبیوں کی پیشگوئیوں کے علاوہ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کا میثاق بھی قرآن کریم میں درج ہے - اس میثاق میں لکھا ہے -

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (۳ : ۸۰)

انبیاء کے ذریعہ سے ان کی امتوں سے اقرار لیا کہ ہم نہ صرف حضور علیہ الصلواۃ والسلام پر ایمان لائینگے - بلکہ ان کے کام میں ان کی نصرت کرینگے - (دیکھو توراۃ باب استثنا ۱۸ - آیت ۱۸ و اعمال رسل باب ۳ - آیۃ ۳۱) -

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ (۲٦ : ۱۹٦)

ان لوگوں کو قرآن کریم کے اس ارشاد پر غور کرنا چاھئیے -

لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ
وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ (۴۸ : ۹)

اس آیت میں حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور ان کی توقیر کرنا اور ان کا زور بازو بننا ضروری قرار دیا گیا ہے -

مذکورہ بالا بیان جو قرآن کریم کی آیات بینات میں درج ہے ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے کو بہت بڑی اہمیت دیتا ہے - اور ان کی توقیر و عظمت کو دلوں میں جمانا چاھتا ہے - تا کہ حضور ﷺ کے ارشادات دلوں میں اتر جائیں -

اور قوم ان کے ارشادات پر دلی اخلاص سے کاربند ہو ۔ کیونکہ اسکے بغیر خدا کی نازل کردہ کتاب کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا ۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ایک فریضہ یوں بیان کیا گیا ہے ۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ایک تو قران کریم کو پڑھ کر سنانا ہے ۔ اور دوسرا اس کتاب کی تعلیم دینا ہے ۔ قرآن کریم کی تعلیم اور اسکی تفسیر کا بیان کرنا حضور کے ذمے ایک فریضہ تھا ۔ اور اس تعلیم و تفسیر کا یاد رکھنا اور اس کا اتباع کرنا صحابہ کرام پر فرض تھا ۔ چنانچہ صحابہ کرام نے حضور کی تعلیمات کو سینوں پر لکھ لیا ۔ اور ان تعلیمات پر عمل کر دکھایا ۔ تعلیم و تفسیر کے اس حصہ کو نظر انداز کرنا اپنے تئیں فہم و تعلیم قرآن سے محروم کرنا ہے ۔

اس کے علاوہ حضور کے سپرد یزکیہم کا کام بھی تھا ۔ یعنی قوم کے نفوس کا تزکیہ کرنا ۔ یہ بہت ہی اہم ترین اور مشکل ترین کام تھا ۔ جو حضور نے نہایت کامیابی کے ساتھ سر انجام دیا ۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ قوم کے اندر اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کی تہذیب پیدا ہو گئی ۔ اس تزکیۂ نفس کا تذکرہ سوائے کتب حدیث کے اور کہیں نہیں ملتا ۔ اس حصہ کا انکار کرنا رسول کریم ﷺ کی اہم ترین کارگزاری اور کامیابی کا انکار کرنا ہوگا ۔

اهل عرب کے پرانے اعتقادات اور ان کی پرانی روایات و پرانی عادات کا قلع قمع کرنا اور انکے اخلاق رذیلہ و عادات مذمومہ کی جگہ اخلاق فاضلہ و صفات محمودہ کا پیدا کرنا نہایت ھی مشکل کام تھا - جو حضور نے انجام دیا - اھل عرب کو باخدا بنا دیا انہیں خدا پرست بنا دیا اور ان میں اتحاد و اخلاص و بے نفسی پیدا کی - ان میں خدا پرستی اور خدمت خلق کا جذبہ پیدا کیا اور بالآخر ان ساربانوں کو بادشاہ بنا دیا - اور ان کو مخلوق کا خادم بنا دیا -

یہ تفصیلات حدیث میں درج ھیں - جن کا انکار کرنا خدا کے منشا کے خلاف ھے - اور نہایت ضرر رساں ھے -

اس کتاب کے مذکورۃالصدر صفحات میں منکرین حدیث پر حجت قائم کی گئی ھے اور دکھایا گیا ھے - کہ قرآن کے فہم کیلئے علم حدیث از بس ضروری ھے - لفظ منکر حدیث اس شخص پر بھی اطلاق پاتا ھے - جو صرف سنت کو قبول کرتا ھے - اور باقی تمام ان علوم و معارف کو رد کر دیتا ھے - جو احادیث دنیا کے سامنے پیش کرتی ھیں - ان دونوں طبقات کو سوائے تھوڑے سے فرق کے اپنی قرآن دانی پر فخر ھے - ان کے اس دعویٰ کو مد نظر رکھتے ھوئے خود قرآن کریم کی آیات بینات سے ان پر واضح کیا گیا ھے - کہ منکر حدیث کے لئے قرآن دانی کا دعویٰ کرنا مضحکہ خیز ھے - کیونکہ خدا فرماتا ھے - کہ میری کتاب کی تعلیم دینے کے لئے ایک ایسے معلم کی ضرورت ھے - جس کا

فہم قران نہایت صحیح ہو - اور جو اس تعلیم قرآنی پر چل کر لوگوں کے سامنے صحیح نمونہ پیش کر سکتا ہو - خدا اپنے رسول کو اسلئے محبوب رکھتا ہے - کہ وہ اس کی کتاب کی غرض کو صحیح طور پر پورا کر سکتا ہے - خدا اپنے اس محبوب کو عَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کہتا ہے - اور اپنے محبوب کو اسوہ حسنہ قرار دیتا ہے - ان اعلانات کا تقاضا ہے - کہ اس عظیم الشان رسول کے اخلاق اس کے معاملات میں لوگوں کو نظر آئیں - اور وہ یقین کر اٹھیں - کہ یہ شخصیت تمام انسانیت کے لئے کامل نمونہ ہے - جب وہ عظیم المرتبت شخصیت تعلیمات قرآنیہ کے مطالب و معانی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ

اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ

ہونے کا دعویٰ کرتی ہو - یعنی یہ کہ میں ارشادات الٰہیہ کی تعمیل میں پیش پیش ہوں تو اسکے دعویٰ کو پرکھنے کا موقعہ اسکے لین دین میں اور اسکے اعمال میں ہی نظر آ سکتا ہے - اور آپ کے ان معاملات و عادات اور آپ کے شمائل و خصائل کا ذکر تو حدیث میں ہی مل سکتا ہے - نہ کہ قرآن کریم میں - خدا اور اسکے رسول کے ان دعاوی کے پرکھنے کیلئے رسول کے اعمال کا جائزہ لینا از بس ضروری ہوگا - نکتہ سنج نگاہ دیکھے گی کہ اس مدعی نے دشمنوں سے کیا سلوک کیا - جنگ میں اس سے کون سے اخلاق

ظہور پذیر ہوئے - اس کے معاہدات کیسے رہے - فتح و شکست میں اس نے کون سے اخلاق کا ثبوت دیا - اسیران جنگ سے کیا سلوک کیا - معاہدات کو پورا کیا یا بہانہ جوئی سے کام لے کر جہاں چاہا توڑ دیا - اور جہاں چاہا پورا کر دکھایا - اموال کے حاصل ہونے پر زہد اختیار کیا - یا نفسانی خواہشات و لذات و مرغوبات کے حصول میں قومی اموال کو بیدریغ صرف کر دیا - اس مدعی نے قانون سازی میں کس علم و حکمت و بے نفسی کا ثبوت دیا اس مدعی نے فیصلہ جات میں اپنی خدا پرستی کا ثبوت دیا یا نفس پرستی کا - فیصلہ جات میں محدود علم کا اظہار کیا - یا وہ فیصلہ جات خیالات کی بلندی اور وسعت پر دلالت کرتے ہیں - اس مدعی نے اپنے دوستوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا - اس مدعی نے مسلم رعیت اور غیر مسلم رعیت میں کس حد تک پورے عدل و انصاف سے کام لیا - اور کس حد تک وہ تعصبات نسلی اور مذہبی کا شکار بنکر رہ گیا - اس مدعی نے اپنی معاشرت میں اپنی ازواج کے ساتھ معمولی انسان ہونے کا نمونہ پیش کیا - یا ان کی معاشرت بے نظیر ٹھہری - غرضکہ مدعی کی عملی زندگی پر ناقدانہ نظر ڈالے بغیر خدا کا یہ دعویٰ متحقق نہیں ہوتا - کہ وہ

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

کے مصداق ہیں -

پیش گوئیاں و کشوف و رویا

اب ان احادیث پر بحث کی جائیگی جن میں پیشگوئیاں اور کشف اور رویأ کا ذکر ہے۔ جن لوگوں نے احادیث کے اس حصہ کا انکار کیا ہے۔ ان کے سامنے کوئی بلند مقصد نہیں ہے۔ بلکہ ان کا مقصد کسی ایسی ہستی کا انکار کرنا ہے۔ جس نے نمایاں طور پر خدمت دین کر دکھائی ہے۔ ظاہر ہے یہ مقصد نہایت گرا ہوا ہے۔ ان خیالات کا سر چشمہ حسد بھی ہے اور کم ظرفی بھی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حسد کے ناپاک کارناموں کے پیش نظر فرمایا۔

اَلْحَسَدُ شَيْطَانٌ

یعنی حسد مجسم شیطان ہے۔

وَالْغَضَبُ شَيْطَانٌ

اور اسی طرح سے دشمنی و خفگی بھی شیطان ہے۔ یہ دونوں تباہ کاریوں کے سر چشمے بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی

حَسَداً مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ

کے الفاظ ان علماء کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ جو دین۔ دین تو پکارتے ہیں لیکن شیطان کے ہاتھ میں کھیلتے ہیں۔ اس قابل تحقیر مقصد کے پیش نظر یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان احادیث

کو ٹھکرا دیتے ھیں - جن میں آئندہ کے واقعات کی خبر درج ھے - ذیل کی آیات قرآنیہ ان لوگوں کے دعوی قرآن دانی کو نہ صرف باطل قرار دیتی ھیں - بلکہ غور کرنے پر یہ معلوم ھوگا - کہ وہ ایسے لوگوں کو منکر قران قرار دیتی ھیں -

قرآن کریم میں پیش گوئیاں بھی درج ھیں - اور خواب بھی اور رویأ بھی - اگر پیشگوئی کو اسلئے رد کیا جاتا ھے - کہ وہ کسی یقینی و قطعی واقعہ کا پتہ نہیں دیتی - تو اس قضیہ کو درست مان لینے والے کے لئے پیشگوئی کا سرے سے انکار کر دینا لازم ھوگا - خواہ وہ پیشگوئی حدیث میں ھو اور خواہ وہ قرآن کریم کی کسی آیت میں مذکور ھو -

اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا -

الٓمّٓ - غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِہِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ○ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰہِ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَھُوَالْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ○ وَعْدَ اللّٰہِ لَا یُخْلِفُ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَالنَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○

ان آیات میں ایک عظیم الشان تاریخی پیشگوئی بیان کی گئی ہے یہ
پیشگوئی جسطرح قران کریم کے منزل من اللہ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔
اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی صداقت پر بھی دلیل ہے۔ اھل
فارس روم میں بسنے والے عیسائیوں پر غالب آ چکے ھیں - انہوں نے
دمشق اور یروشلم پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ان کی مقدس صلیب کو
اٹھا کر اپنے وطن میں لے جا چکے ھیں۔ اور اس ملک پر غلبہ حاصل
کرنے کے بعد مصر کو بھی فتح کر چکے ھیں۔ ان حالات میں جبکہ
رومی عیسائیوں کی طاقت ٹوٹ کر برباد ھو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے - کہ رومی عیسائی اھل فارس پر غالب آئینگے۔ مادی آنکھ
اسکو امر محال قرار دیتی ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے - اگر یہ ناممکن
امر ممکن ھو کر لوگوں کے مشاھدے میں آ جائے - تو ثابت ھوگا۔
کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے اور یہ بات بھی متحقق ھو جائیگی کہ
محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے رسول برحق ھیں۔ اور ان سے خدا
ھمکلام ھوتا ہے۔ اور وہ ایسے واقعات کے ظہور پذیر ھونیکی پیشگوئی
کرتے ھیں - جن کا پورا کرنا نہ ان کے اپنے اختیار میں ہے اور نہ ھی
وہ ایک تباہ شدہ قوم کے اختیار میں ہے۔ کہ وہ پوری طرح مغلوب و
مقہور ھو جانے کے بعد اپنے فاتحین پر غالب آ سکے۔ خدا تعالیٰ
فرماتا ہے۔

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ

جب رومی حکومت پورے عروج پر تھی اور اس وقت جو ان پر زوال آیا - وہ بھی ہمارے حکم سے آیا - اور اب جب کہ وہ ذلیل و مقہور ہوگئے ہیں ان کودوبارہ غلبہ عطا کرنا بھی ہمارے ہاتھ میں ہے -

اس پیشگوئی میں یہ بات درج ہے - کہ یہ بضع سنین میں پوری ہوگی - قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والے لوگ جو حدیث کی پیشگوئیوں پر اعتراض کرتے اور ان کو رد کر دیتے ہیں - ان الفاظ پر غور کریں- خدا تعالیٰ فرماتا ہے - چند سالوں میں ایسا واقعہ ہو کر رہیگا - لیکن پورا ہونیکی ساعت اور دن اور مہینے اور سال کا تعین نہیں کرتا - منکرین حدیث کے نزدیک ایسی پیشگوئیاں رد کر دینے کے قابل ٹھہرتی ہیں - کیا منکرین حدیث ان آیات کے مطالعہ سے بتا سکتے ہیں - کہ غالب آنیوالی قوم کونسی تھی - اس کا نام کیوں نہیں لیا گیا - چونکہ قرآن کریم نے اہل فارس کا نام لینا ضروری نہیں سمجھا - اس لئے منکرین حدیث ان آیات کے ساتھ کیا سلوک کرینگے -

خدا تعالیٰ کا قانون ہے - کہ وہ پیش گوئی میں ایک رنگ کا اخفا رکھتا ہے - اور اس کا قانون جیسا قرآن کریم میں ہے - ویسا ہی حدیث شریف میں بھی ہے - قرآن کریم کی پیشگوئی جس قلب مطہر و مزکی پر اتری - اسی قلب صافی پر خدا کی وہ تجلی بھی جلوہ گر ہوئی

جو حدیث میں درج کی گئی ہے ۔ دونوں کا منبع و سر چشمہ ایک ہے ۔ دونوں میں ایک ھی روحانی قانون کام کرتا ہے ۔ ایک پر جو اعتراض کیا جائے وھی اعتراض دوسرے پر جا پڑتا ہے ۔ اسلئے ناواجب کلمات کے استعمال سے اجتناب کرنا مناسب ہوگا ۔

جس طرح آج ایک مسلمان منکر حدیث یہ جرأت کرتا ہے ۔ کہ اس حدیث کو رد کر دے ۔ جس میں پیشگوئی درج ہے ۔ اس طرح سے حضور کے سامنے منکرین قرآن نے قرآن کی اس پیشگوئی کو ناقابل قبول قرار دیا تھا ۔ اور مسلمانوں کو چیلنج دیا تھا اور بڑی تحدّی سے کہا تھا کہ یہ پیشگوئی کبھی پوری نہ ہوگی ۔ انہوں نے کہا ۔ ہم اور اہل فارس دونوں اوثان و اصنام کے پرستار ھیں اور رومی عیسائی اور مسلمان اہل کتاب ھیں اصنام و اوثان پرستوں کی قسمت میں فتح لکھی ہے ۔ نہ رومی عیسائی اہل فارس کے سامنے سر اٹھا سکتے ھیں اور نہ ھی مسلمان عرب کے اصنام پرستوں کے سامنے سر اٹھا سکیں گے ۔

حضرت ابوبکرصدیق کو خدا تعالیٰ کے کلام پر پختہ ایمان تھا ۔ اور ان کو یقین تام تھا ۔ کہ خدا کی فرمودہ پیشگوئی ضرور بالضرور پوری ہوگی ۔ انہوں نے غیرت اسلامی دکھائی اور کفار مکہ کو اس پر شرط لگانے کو کہا ۔ چنانچہ ابی بن خلف اور حضرت ابوبکرؓ کے درمیان یہ شرط ٹھہری کہ اگر تین سال کے اندر اندر یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی تو

حضرت ابوبکر ابی بن خلف کو دس اونٹ دینگے ۔ اور اگر پوری ہوگئی تو اس سے دس اونٹ حاصل کرینگے۔ حضرت ابوبکر نے اس شرط کا ذکر حضور نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام سے کیا تو انہوں نے فرمایا ۔ بضع کا لفظ تین سے نو تک پر بولا جاتا ہے ۔ اس لئے شرط میں نو سال رکھ لیں اور اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کر دیں ۔ چنانچہ ازسرنو شرط طے کی گئی ۔ اب سو اونٹ شرط تھی اور مدت نو سال ۔ مدت کو جب خود خدا نے متعین نہ کیا تو اس کا رسول ﷺ کس طرح سے اس کی تعین کر سکتا تھا ۔ خدا کو علم تھا ۔ کہ فلاں وقت فلاں دن اور فلاں مہینے اور فلاں سال میں یہ پیشگوئی پوری ہوگی لیکن اس نے یہ علم اپنے رسول کو دینا مناسب نہ سمجھا ۔ اس سے یہ بات عیاں ہوگئی ۔ کہ پیشگوئی پردہ اخفا میں مستور ہوتی ہے ۔ آخر خدا کی بات پوری ہوئی ۔ اور رومی عیسائی ۶۲۴ء میں اہل فارس پر غالب آ گئے ۔

اس پیشگوئی میں ایک اور پیشگوئی موجود ہے ۔ جو مسلمانوں کے حق میں ہے ۔ فرمایا

يَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ

جس وقت رومی عیسائیوں کو اہل فارس پر فتح نصیب ہوگی ۔ اسی وقت مسلمانوں کو بھی کفار عرب پر فتح حاصل ہوگی ۔ مسلمان تو اس وقت اس قدر کمزور و ناتواں تھے کہ مادہ پرست انسان کبھی

باور ہی نہ کر سکتا تھا۔ کہ یہ چھوٹی سی حقیر جماعت اپنے مخالفین پر غالب آسکتی ہے۔ دشمن کے جتھہ میں تجربہ کار سردارانِ قوم موجود تھے اور ان کے پاس سامان حرب بھی کافی تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ

ہم نے کمزوروں کی نصرت کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور ہم العزیز ہیں۔ ہم پر کوئی جتھہ غالب نہیں آسکتا۔ بلکہ ہم ہر جتھے پر غالب آئیں گے۔ اور ہم الرحیم ہیں۔ اس لئے ہماری رحمت نے کمزوروں کو فتحمند کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔

وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ

یعني ہم کمزوروں اور بےنواؤں پر فضل نازل کرنے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ برباد شدہ اہل فارس کو فتح نصیب ہوئی تو مسلمانوں کی نہایت ہی چھوٹی سی جمعیت معرکہ بدر میں کفار عرب کے بڑے لشکر پر غالب آئی۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً

یعنی ایسا کئی بار ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت بڑی جماعت پر غالب آتی ہے

یہ عظیم الشان فتح مسلمانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئی انہوں نے خدا کو اپنی انکھوں سے دیکھ لیا ۔ وہ غریب مسلمان جو کفار کے مظالم کا تختۂ مشق تھے ۔ ان کے سامنے بڑے بڑے متکبر اور ظالم انسان بری طرح قتل ہوئے ۔ اور ان کے ہاتھوں قریش کے رؤسا گرفتار ہوئے ۔ اس سے دلوں میں اطمینان و فرحت کے جذبات ابھرے اور ایقان و عرفان سے دل منور ہو گئے ۔

پیشگوئی حدیث میں درج ہو یا قرآن کریم میں اس کا سرچشمہ خدا تعالیٰ ہے جو خالق السماوات و الارض ہے ۔ اور جسکا علم محیط ہے ۔ اس لئے پیشگوئی کا انکار نہایت نا واجب ہے ۔ ان احادیث کا انکار کرنا جن میں پیشگوئیاں درج ہیں اس امر کو مستلزم ہے کہ قرآن کا انکار کیا جائے ۔

فَتَدَبَّرُوْا يَا اُوْلِي الْاَبْصَارِ

قرآن کریم کی میں یہودیوں کے متعلق ایک پیشگوئی کا ذکر

وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ فِى الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا

أُولِىْ بَأْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ
وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ○ ..... فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ
لِيَسُوْءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا
دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا

ترجمہ۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں خبر دیدی تھی۔ کہ تم یقیناً ملک میں دو مرتبہ فساد کروگے اور بڑی سرکشی اختیار کروگے۔ سو جب دونوں میں سے پہلی بار کا وعدہ آ پہنچا ۔ تو ہم نے تم پر سخت طاقت والے بندے اٹھا کھڑے کئے ۔ پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے ۔ اور وعدہ پورا ہو کر رہنا تھا .... پھر جب پچھلی بار کا وعدہ آیا ۔ (تو ہم نے اور بندے اٹھا کھڑے کئے) تاکہ تمہارا برا حال کر دیں اور وہ ہیکل میں داخل ہوں ۔ جس طرح پہلی بار داخل ہوئے تھے ۔ اور تاکہ وہ جس شے پر غالب آئیں ۔ اسکو پوری طرح تباہ کر دیں ۔ (۱۷ : ۷)

ان آیات میں اس امر کا اظہار کیا گیا ہے ۔ کہ بنی اسرائیل کی بغاوت و فساد کے باعث ان پر دو دفعہ تباہی آئی ۔ اور ان دونوں عبرتناک واقعات کے متعلق توراۃ میں پیشگوئی کر دی

گئی تھی -

کیا منکرین حدیث جو ان احادیث کو رد کرتے ھیں جن میں پیشگوئیاں مذکور ھیں - ان آیات کو اسلئے رد کر دینگے - کہ ان میں پیشگوئیاں درج ھیں - کیا ان آیات میں درج کردہ پیشگوئیاں ان اوقات کی تعیین کرتی ھیں - جن میں یہودیوں پر بربادی و ھلاکت مسلط کیا جانا مقدر تھی - کیا ان پیشگوئیوں میں ان لوگوں کا ذکر ھے - جو یہودیوں پر غالب آئیں گے - اور ان کی رسوائی اور تذلیل کا باعث ھوں گے - غرض ان پیشگوئیوں میں نہ اوقات کی تعیین ھے اور نہ ان لوگوں کا ذکر ھے - جو سزا دینے کے لئے مقرر کئے جانے والے تھے - منکرین حدیث اس بناء پر قرآن کریم کی ان آیات سے کیا سلوک روا رکھینگے - وہ غور کریں کہ ان کے تجویز کردہ معیار سے دین کو کس قدر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ھے -

قرآن کریم کی یہ آیات تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرتی ھیں - قرآن کریم قوموں کے تاریخی واقعات کو رد نہیں کرتا - تاریخی واقعات کا رد کر دینا حق پرستی کی روح کو تباہ کر دیتا ھے - ایسا کرنا تعلیمات قرآنیہ کے منافی ھے -

ان پیشگوئیوں کا وقوع اسطرح ھوا کہ جب یہودی اپنی بدکرداری میں تمام حدود سے تجاوز کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے بابلیوں کے دلوں میں یہ تحریک پیدا کی کہ یہودیوں کی سرکوبی کی جائے - چنانچہ

بخت نصر کی کمان میں بابلیوں نے شام پر حملہ کیا۔ اور یروشلم کو فتح کر لیا اور یروشلم کے ھیکل کو جلا دیا۔ جس سے یہودیوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ کہ ھم نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی اور اس کی وجہ سے یہ رسوائی اور ذلت ھمارے حصہ میں آئی۔ کہ ھماری سب سے زیادہ غیرت کی چیز نذر آتش کر دی گئی۔ یہ عبرت ناک بربادی یہودیوں پر چھ سال قبل از مسیح آئی۔ کیا وہ شخص جو قرآن کریم کو مانتا ھے۔ اور حدیث کا منکر ھے۔ ان آیات کو رد کر دیگا جن میں یہ حقائق درج ھیں۔

ان آیات میں یہ بھی لکھا ھے۔ کہ یہودی دوبارہ ناھنجار ھو جائیں گے۔ اور دوبارہ ان پر اسی قسم کی تباھی و ذلت مسلط کر دی جائیگی۔ یہ واقع حضرت مسیح عہ سے ستر سال بعد رونما ھؤا۔ جب طیطس رومی نے دوبارہ یہودیوں کے دارالخلافہ کو تباہ کیا۔ اور ان کے ھیکل کو بھی نیست و نابود کر دیا۔ اور جس جس چیز اور جس جس جگہ پر انھوں نے قابو پایا اس کو خاک کے ساتھ ملا دیا۔

وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا

یعنی جس جس چیز پر انھوں نے قابو پایا اس کو تباہ و برباد کر دیا۔

قرآن کریم نے اس پس منظر کا ذکر نہیں کیا اور نہ ھی اس قوم کا نام لیا ھے۔ جن کے ھاتھوں یروشلم پر تباھی آئی تھی۔ قرآن کریم

بعض تاریخی واقعات کی طرف صرف اشارہ کرتا ہے۔ اور ان کی تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے یہ اس لئے کہ تفصیلات کتب تاریخ میں موجود ہوتی ہیں۔

از روئے قرآن کریم پیشگوئی تائید رسالت کے لئے نہایت مفید ہے۔ پیشگوئی ثابت کرتی ہے کہ خدا عالم الغیب نے اپنے رسول پر مستقبل کا ایسا واقعہ منکشف کیا ہے۔ جس کے متعلق کوئی بشر علم نہیں رکھ سکتا۔ اور اسی طرح سے اس کو پورا کرنے کے لئے قادر مطلق خدا کے سوائے کوئی بشر سامان بہم نہیں پہنچا سکتا۔ اس لئے پیشگوئی سے خدا اور اس کے رسول پر ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اگر منکرین حدیث پیشگوئی کے اس پہلو پر غور کریں گے تو ان کے لئے مفید ثابت ہوگا۔

عیسائیوں کے متعلق پیشگوئی

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ○ (۱۹:۳۹، ۴۰)

ترجمہ۔ اور اے پیغمبر ان کو اس آنے والے دن سے ڈرا جو ان کے لئے بہت بڑی حسرت کا دن ہوگا.. اور جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو

چکا ہوگا اس وقت تو یہ لوگ اپنی دولت و ثروت کے گھمنڈ میں غفلت و لاپروائی کا شکار ہیں - اس لئے وہ اس بات پر کان نہیں دھرتے -

یہودیوں کی تباہی سے متعلق جو پیشگوئیاں قرآن کریم نے کیں ان کا ذکر اور ان کے پورا ہونے کا ذکر اوپر ہو چکا ہے - ان آیات میں عیسائیوں کی تباہی کی پیشگوئی ہے - جو ۳۰ ہجری میں پوری ہوئی - اس تباہی کی تفصیلات گبن کی تاریخ میں ملتی ہیں - یہاں پر اس تباہی کا ذکر مجمل طور پر کیا جاتا ہے -

یہ تباہی غیر متوقع تھی - اس لئے اس تباہی سے تمام عیسائی دنیا حیران و پریشان ہوگئی - جب بیت المقدس جو ان کا دارالخلافہ اور مقدس ترین مقام تھا - ان کے ہاتھ سے نکل گیا - تو ایشیا اور افریقہ کی عیسائی دنیا پر سکتہ کا عالم طاری ہو گیا اس سے ان کی اور ان کے دین کی بہت توہین ہوئی - اس سے ثابت ہو گیا کہ مسیح ان کے کام نہ آیا - اور نہ ہی ان کے لشکر اس تباہی کو روک سکے - ان کی ثروت و دولت جس کا ان کو گھمنڈ تھا کسی کام نہ آئی - ان کے لئے حیرانی پر حیرانی تھی - ان کے بادشاہ ہرقل کو وطن چھوڑ کر جان بچانے کے لئے بھاگنا پڑا - جب وہ جہاز پر سوار ہوا - تو اس نے بڑی حسرت و یاس بھری نگاہوں سے اپنے ملک کے پہاڑوں کی چوٹیوں کو دیکھا - اور ان کو مایوسی بھرے الفاظ میں مخاطب

کر کے کہا ۔

الوداع ! اے سرزمین شام الوداع

اس قسم کی پیشگوئی کرنا بشر کا کام نہیں ۔ اور نہ ھی اس قسم کی پیشگوئی کو پورا کر دکھانا کسی بشر کی طاقت میں ھے ۔ اس قسم کی پیشگوئی کرنا اور اسکو پورا کر دکھانا خدائے بزرگ و برتر کی کرشمہ نمائی کے بغیر ناممکن ھے ۔ اس پیشگوئی سے ثابت ھوتا ھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت بر حق ھے ۔ اور وہ کلام جو ان پر نازل ھوتا ھے ۔ لاریب خدائے قادر مطلق کی طرف سے ھے ۔ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں یقین پیدا کرنے کے لئے پیشگوئیوں کا سلسلہ بھی قائم کر رکھا ھے ۔ مسلمان کے لئے اس کا انکار کرنا نہایت نازیبا ھے ۔ کیا منکرین حدیث اعتراض کرینگے کہ اس پیشگوئی میں یوم الحسرۃ کے الفاظ مبہم ھیں ۔ ٹھیک مدت نہیں دی گئی ۔ نہ وقت کی تخصیص اور نہ ھی حسرۃ کی کیفیت کا بیان ۔ نہ پتہ چلتا ھے کہ یہ حسرت کس قسم کی بربادی کا نتیجہ ھوگی ۔ زلزلہ آ کر لوگوں کو تباہ کردیا جائے گا ۔ یا کسی اور قسم کی ھولناکی کا نتیجہ ھوگی ۔ جب قوم کی تباھی کی پیشگوئی ھے تو اس کا نام نہیں لیا گیا ۔ اور اگر یہ تباھی کسی جنگ کا نتیجہ ھے ۔ تو حملہ آور قوم کا نام کیوں نہیں لیا گیا ۔ غرضکہ منکرین حدیث کے نظریات ان کو قرآن کریم کے انکار

کی طرف لے جائیں گے ۔

یہ پیشگوئی سورہ مریم میں درج ہے ۔ اس کا نزول ۵ ھجری میں مکہ معظمہ میں ہؤا تھا ۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی اس وقت عیسائی سلطنت اپنے پورے عروج پر تھی جس کے زوال کے آثار نہ تھے ۔ اس پیشگوئی کی قدر و قیمت منکرین قرآن کی نگاہ میں کچھ نہ تھی اور ان کے وھم وگمان میں بھی اس قسم کی دور از قیاس پیشگوئی کے پورا ہونے کا خیال نہ آ سکتا تھا ۔ لیکن قدرت جلوہگر ہوئی اور پچیس سال کے بعد عیسائی اور مسلمان دنیا نے اس درد ناک اور عبرت ناک واقعہ کا مشاھدہ کیا ۔ ۵ ھجری میں جو مسلمان نہایت ھی کمزور و بیکس تھے جب انہوں نے حضرت عمر رض کے عہد میں شام و بیت المقدس کو فتح کیا اور اس پیشگوئی کو اپنے سامنے شان و شوکت کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا تو گویا خدا کو دیکھ لیا ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ

یعنی وہ اسرار جو سامنے نہیں وہ سب خدا کے علم میں ھیں ۔ ھم جس رسول کو چاھیں غیب پر مطلع کر دیتے ھیں ۔ یہ اظہار

علی الغیب اس کی صداقت پر دلیل قائم کرنے کے لئے اور اس کا اور اس کے متبعین کا ایمان بڑھانے کیلئے اور انہیں مضبوط کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ حکمت خداوندی نے پیشگوئیوں کے بیان میں اخفا رکھا ہے۔ اس سے ازدیاد ایمان کے سامان بہم پہنچانا مقصود و مطلوب ہے۔

حَتّٰی اِذَا فُتِحَتْ یَاجُوْجُ وَ مَاجُوْجُ

یہ بھی ایک پیشگوئی ہے اور پردہ اخفا میں مستور ہے۔ اسلئے کوئی چودہ سو سال تک مفسرین اس پیشگوئی کی حقیقت سے آگاہ نہ ہوسکے۔ کیا اس بنا پر منکرین حدیث اس پیشگوئی کے قبول کرنے سے انکار کریں گے؟ اس زمانہ کے مجدد نے اس پیشگوئی کا انکشاف کیا اور ان کی بیان کردہ تشریح کے مطابق یہ پیشگوئی اس زمانہ میں پوری ہوئی۔ جس سے مسلمانوں کا ایمان تازہ ہؤا۔ اقبال مرحوم بھی مجدد الزمان کی اس تفسیر سے لطف اندوز ہوئے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل شعر میں انہوں نے اس تفسیر کو تسلیم کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشم مسلم دیکھ لے تفسیر حرف یَنْسِلُوْنَ

لنڈن کے گلڈ ہال کے بڑے دروازے کے دونوں طرف یاجوج اور

ماجوج کے مجسمے نصب ھیں - انگلستان کے مشہور و معروف وزیراعظم مسٹر چرچل نے حال ھی میں اپنی ایک تقریر میں ان مجسموں کا ذکر کرکے قرآن کریم کی اس آیت کی اس تفسیر کی جو مجدد زمان کے قلم سے بیان کی گئی تھی تصدیق کی ھے - اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قرآن کریم کی حقانیت دلوں پر قبضہ کرتی چلی جاتی ھے - منکرین حدیث کو اپنا موقف ترک کرنا چاھئے اور اپنی ذھنیت میں تبدیلی کرنی چاھئے -

سورہ کہف میں ایک پیشگوئی

سورہ کہف کی ابتدائی اور آخری آیات میں دجال اور دجال کے عقیدہ کا ذکر ھے - لیکن ان آیات میں توضیح و تشریح موجود نہیں ھے اور نہ ھی دجال کے عروج اور اس کی فریب کاری کی تفصیلات ھیں - جس طرح امام الزمان نے یاجوج و ماجوج کی تفسیر بیان کر کے عشاق قرآن کریم پر احسان کیا اسی طرح سے انہوں نے دجال کے حالات بھی شرح و بسط کے ساتھ لکھ کر مسلمانوں کو بہرہ ور ھونے کا موقعہ دیا - ان کی تفسیر جس قوم پر ھر پہلو سے صادق آتی ھے مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے اس کے حالات کا مشاھدہ کر لیا اور وہ قرآن کریم کے اعجاز کے قائل ھو گئے - منکرین حدیث ان آیات پر غور کریں جن میں یہ پیشگوئیاں درج ھیں -

فرعون مصر کا خواب

قرآن شریف میں وہ آیات بھی ہیں جن میں پیشگوئیوں کے علاوہ کشف و رویا اور خواب کا ذکر ہے - پیشگوئی کی طرح خواب وغیرہ میں بھی اخفأ کا پہلو غالب ہوتا ہے - اس کے انکشاف سے تقویت ایمان ہوتی ہے لیکن کور باطن ظاہر بین عدم علم کی وجہ سے اس حقیقت کا انکار کر دیتا ہے - فرعون مصر نے خواب دیکھا اور اس کو درباریوں کے سامنے بیان کیا - درباری کسقدر بھی ظاہری علوم و فنون کے مالک اور صاحب تجربہ ہوں ضروری نہیں کہ خواب و کشوف کے کوچہ سے بھی واقف ہوں - اسی لئے انہوں نے اپنے عدم علم کی بنا پر فرعون مصر کے خواب کو اضغاث احلام قرار دیا اور کہا کہ یہ پریشان خیالات ہیں - لیکن حقیقت شناس مرد خدا حضرت یوسف علیہ السلام جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

فرعون مصر کی خواب کو حقیقت پر مبنی یقین کرتے ہیں اور اس کی تعبیر بیان کرتے ہیں - بالاخر وہ تعبیر حرف بحرف درست نکلتی ہے اور لوگ حقیقت حال کا مشاہدہ کرتے ہیں -

قرآن کریم میں اس واقع کو یوں بیان کیا گیا ہے - فرمایا:-

قَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْ اَرٰى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ط
یٰٓاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا
تَعْبُرُوْنَ ○ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ
الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ○

ترجمہ - اور بادشاہ نے کہا۔ میں نے دیکھا ہے سات موٹی گائیں سات دبلی گائیوں کو کھا گئی ہیں اور میں نے سات سبز اور سات خشک خوشے دیکھے ہیں۔ اے اہل دربار! میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر کرسکتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ پریشان خواب ہیں۔ اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔

اس پر بادشاہ نے قید خانہ سے حضرت یوسف کو بلا بھیجا اور انہوں نے اس خواب کی صحیح تعبیر بتائی کہ آپ کے ملک میں خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال تک قحط کا دور دورا رہے گا۔ اس علم نے حضرت یوسفؑ کو نہایت بلند مقام پر پہنچا دیا۔

یہ آیات مسلمان کو ایک قیمتی سبق دیتی ہیں کہ ایک کافر بادشاہ کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے اور مسلمان کو یہ سبق دیتی ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ

ان باتوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ جن کا تمہیں علم نہ ہو اور نہ ہی ان باتوں کو بیان کیا کرو جن کا تمہیں علم نہ ہو۔

یہ تو بادشاہ کا خواب ہے۔ اب اس بادشاہ کے دو خادموں کے خواب پر غور کریں۔ یہ خواب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سنائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تعبیر ان کے خوابوں کی بتائی تھی وہ بالکل درست نکلی۔ اس قسم کے واقعات درج کرکے قرآن کریم اس حقیقت کی تلقین کرنا چاہتا ہے کہ خواب دیکھنا ایک حقیقت ہے اور دنیا میں سب چھوٹے اور بڑے خواب دیکھتے ہیں۔ مسلمان اور غیر مسلمان سب اس کا تجربہ رکھتے ہیں کیونکہ سب کے سب رب العالمین کی مخلوق ہیں اسی نے سب کے دماغوں کی ساخت اور استعداد یکساں بنائی ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنا مسلمان کا شیوہ نہ ہونا چاہئے۔ منکرین حدیث اس پر غور کریں کہ آیا وہ منکر قرآن تو نہیں۔

حضرت یوسفؑ کا خواب

حضرت یوسفؑ خود خواب دیکھتے ہیں اور اپنے باپ کے پاس اس کا ذکر کرتے ہیں۔

اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ

وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ○

یعنی یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے اور سورج اور قمر کو اپنے تئیں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ یوسف آسمانی فیوض سے متمتع ہونگے اور وہ اپنے بھائیوں کے لئے موجب حسد ہونگے۔ اس لئے انہوں نے کہا۔

لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ

یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ منکرین حدیث نہ شاہ مصر کے خواب کو مان سکتے ہیں اور نہ ہی حضرت یوسفؑ کے خواب کو۔ کیونکہ ان کے سامنے ان کی خود ساختہ مشکلات ہیں۔

حضرت یوسف کا خواب سچا تھا لیکن اس کو پورا ہوتے کتنا عرصہ لگا۔ وہ کوئیں میں گرائے گئے پھر غلام کی حیثیت سے چند ٹکوں پر بک گئے اس کے بعد جب شاہی محل میں جا پہنچے تو ان کے لئے وہاں پر ایسا ابتلا آیا کہ وہ قید خانہ میں ڈال دئیے گئے۔ اندریں حالات کون یقین کر سکتا ہے کہ ایک دن ان کے خواب کی حقیقت ظہور پذیر ہو گی اور وہ آسمانی فیوض سے متمتع ہو کر مصر کے حاکم اعلیٰ بن جائیں گے؟

حضرت ابراہیمؑ کا خواب

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ○

اے میرے پیارے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ آپ کی کیا منشا ہے۔ اس پر حضرت اسمٰعیل نے کہا:

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○

میرے پیارے ابا جان! جیسا حکم آپ کو ہؤا۔ اسی طرح کر دیجئے گا۔ اس مصیبت پر میں صبر سے کام لوں گا۔ اس خواب کی تعبیر منیڈھے کا ذبح کرنا نکلا۔ یہ خواب اور اس کی تعبیر سنۃ ابراہیمی کہلاتی ہے۔ اس خواب کی اہمیت اس عمل سے ظاہر ہے جس پر حضور نبی کریم ﷺ بھی کاربند رہے اور آپ کی امت بھی کاربند ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا رویا

حضور نبی کریم ﷺ کے رویا یا خواب یا کشف ایسے ہیں جن میں پیشگوئی کا رنگ ہے۔ وہ رویا قرآن کریم میں درج نہیں۔ قرآن کریم نے ایسا کرنے سے ان کشفوں یا خوابوں یا پیشگوئیوں کی جو

احادیث میں درج ھیں تصدیق کی ھے ۔ ان کے پورا ھونے سے خدائے بزرگ و برتر کی ذات پر ایمان پیدا ھوتا ھے اور حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی رسالت کی تائید ھوتی ھے ۔ حضور کی رسالت پر سب سے زیادہ قوی دلائل تو حضور کی تعلیمات خود ھیں ۔ ان تعلیمات کے بعد آپ کی فرمودہ پیشگوئیوں کا پورا ھونا ھے جو بذریعہ رویا یا خواب یا کشف آپ کو دکھائی گئیں ۔ جب قرآن کریم ایسے کشوف اور ایسی پیشگوئیوں کی تصدیق کرتا ھے تو اس کے بعد قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والے کے لئے زیبا نہیں کہ ایک ھی کیفیت کا ایک جگہ اعتراف کرے اور دوسری جگہ انکار کرے ۔

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ

خدا تعالیٰ فرماتا ھے :۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُولَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ

خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کا رویا سچ کر دکھایا لیکن جس سال یہ رویا دیکھا گیا تھا اس سال پورا نہ ھؤا تھا ۔ اس رویا کی بناء پر حضور چودہ سو صحابہ کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کی غرض سے نکلے لیکن کفار نے حدیبیہ کے مقام پر ان کو روک لیا تھا اور حج نہ کرنے دیا تھا ۔ اس کا نتیجہ یہ ھؤا کہ مسلمانوں اور کفار کے درمیان اس مقام پر صلح

نامہ لکھا گیا جو صلح نامہ حدیبیہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ کفار کہتے تھے کہ اگر ہم مسلمانوں کو حج کرنے کی اجازت دے دیں تو لوگ ہم کو طعنہ دیں گے کہ مسلمان اپنے زور بازو سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں درج ہے۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِہِمُ الْحَمِیَّۃَ حَمِیَّۃَ الْجَاہِلِیَّۃِ

ان کے مقابل پر مسلمانوں نے خونریزی سے بچنے کے لئے گر کر صلح کرنا منظور کر لیا۔ مسلمانوں نے اس پر حضور سے استفسار کیا کہ کیا حضور ﷺ نے نہ فرمایا تھا کہ ہم خانہ کعبہ میں جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ اسی سال زیارت کعبہ کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ

قرآن دانی کا دعویٰ کرنے والے کو خدا تعالیٰ تو یہ سکھانا چاہتا ہے کہ رویا میں ایک پردہ اخفاء ہوتا ہے اور اس کا انکشاف وقت پر ہوتا ہے۔ اس کی تفصیلات پر آگاہی سوائے خدا کے اور کسی کو

نہیں ہوتی۔ اس لئے اس کے متعلق شکوک پیدا ہو سکتے ہیں لیکن شک و شبہ کی بنا پر اس پیشگوئی کا سرے سے انکار کر دینا نا واجب ہوتا ہے۔

ذَالِكَ الرُّؤْيَا رُؤْيَا عَامِ الْحُدَيْبِيَّةِ حِيْنَ رَاَى اَنَّهٗ دَخَلَ مَكَّةَ فَصَدَّهُ الْمُشْرِكُوْنَ وَافْتَتَنَ بِذَالِكَ نَاسٌ وَّ تَحَيَّرُوْا مِنْ ذَالِكَ

یعنی لوگوں کے لئے یہ رویا موجب فتنہ و حیرانی ہوا۔ اس پر حضور نے فرمایا :۔

اَقُلْتُ لَكُمْ فِيْ هٰذِهِ الْعَامِ

کیا میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس سال یہ رویا وقوع میں آئے گا؟ یہ رویا اور اس سے متعلقہ واقعہ ہمیں اس امر کی تلقین کرتے ہیں کہ پیشگوئی کے متعلق یہ کہہ دینا نہایت نا واجب بات ہے کہ جب تک اس کے تمام پردے چاک ہو کر اصل حقیقت ہمارے سامنے متمثل نہ ہو جائے اس وقت تک ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں نے احادیث کی پیشگوئیوں کو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے وہ غور کریں کہ آیا ان کا ایسا کرنا قرآن کریم کی تعلیمات کے موافق

ہے - اگر نہیں تو ان کو اپنے غلط عقیدہ سے رجوع کرنا چاہیئے -

حضور ﷺ کا ایک اور خواب

فرمایا :-

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَلَوْ اَرٰكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کو خواب میں دشمن کے لشکر کی تعداد کم کرکے دکھائی تھی - واقع میں دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی - چونکہ وہ شکست کھانے کو تھے اور ان کی شکست ثابت کرنے والی تھی کہ ان کی طاقت مسلمانوں کی طاقت کے مقابلہ میں کم رہے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے خواب میں دشمن کی تعداد کو کم کرکے دکھایا - ایسے خواب ڈھارس کا موجب ہوتے ہیں - یہ خواب ظاہر بین آنکھ کی تعلیم کے لئے ہے اور ظاہر بین دل کی اصلاح کے لئے ہے -

فَتَدَبَّرُوْا يٰاُوْلِی الْاَبْصَارِ

یہ حقائق و شواہد جو پیشگوئی کے متعلق بیان کئے گئے ہیں ثابت کرتے ہیں کہ پیشگوئی ایک حقیقت ہوتی ہے اور یہ حقیقت اپنے اندر بہت بڑا مقصد رکھتی ہے - اس حقیقت کا انکار کر دینا اپنی

بے علمی کا ثبوت دینا ہوگا۔ جو بات قرآن کریم سے متحقق ثابت ہو اس کے انکار پر ڈٹے رہنا ایمان کی علامت نہیں ہے بلکہ یہ راستہ نہایت نقصان دہ ہے کیونکہ یہ منزل مقصود سے بہت دور لے جاتا ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ

بعثت مجددین کے متعلق حضور کی پیشگوئی

مذکورۃ الصدر بصائر کی روشنی میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی ایک اور پیشگوئی کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ پیشگوئی حدیث میں درج ہے۔ حضور نے فرمایا :-

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

یعنی اللہ تعالیٰ امت مرحومہ کی بھلائی کے لئے ہر سو سال کے سر پر ایک مجدد مبعوث کیا کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کیا کرے گا۔ اس پیشگوئی کی صداقت پرکھنے کا سب سے زیادہ صحیح طریق یہ ہے کہ مدعی مجددیت کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے اشخاص کو دیکھا جائے اور اندازہ لگایا جائے کہ آیا وہ خدا پرست بن گئے ہیں اور ان کے اخلاق پسندیدہ نظر آتے ہیں۔ آیا ان میں تقوےٰ و طہارت پیدا ہوگیا ہے۔ آیا ان کے معاملات میں نمایاں طور پر

دین داری نظر آتی ھے - آیا ان میں خدا اور رسول کی اطاعت کے لئے مستعدی اور سرگرمی پائی جاتی ھے - آیا ان میں قربانی کی روح پیدا ہو گئی ھے - اگر مجدد کی صحبت کا یہ اثر ہو تو اس کا دعویٰ ثابت شدہ امر ھے -

اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا مجدد کی تحریر و تقریر کی سطح معارف و علوم کے لحاظ سے اپنے ھمعصروں کی نسبت خصوصی طور پر بلند تر ھے - آیا اس کا علم کلام دوسروں پر فوقیت رکھتا ھے - آیا اس کا علم کلام مؤثر اور دل نشیں ھے - اگر ایسا ہو تو ضرور اس کو جناب الٰہی کی طرف سے نصرت و تائید حاصل ھے -

تیسری بات جو غور کے قابل ھے یہ ھے کہ آیا مدعی مستجاب الدعوات ھے - آیا اس کی دعاؤں کو عام طور پر قبولیت حاصل ھے -

اسلامی تاریخ گواھی دیتی ھے کہ ایسے اولیاء کرام حضرت نبی کریم ﷺ کی امت میں پیدا ہوئے جن میں حضور نبی کریم ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا عکس نظر آتا تھا اور ایسے لوگوں کی برکت سے وہ لوگ جو ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے با خدا ہو جاتے تھے اور ان کے علوم و معارف سے ایک دنیا مستفیض ہوتی رھی - یہ تاریخی حقائق و شواھد حدیث مجدد پر مہر تصدیق ثبت کرتے ھیں - حدیث مجدد کی صحت پر خدا تعالیٰ نے موجودہ زمانہ

میں ایک نا قابل تردید گواھی پیش کی ھے - وہ یہ ھے کہ ۱۸۹۴ء کے ماہ رمضان میں چاند اور سورج دونوں کو گرھن لگا - چاند گرھن ۱۳ ماہ رمضان کو اور سورج گرھن ۲۸ رمضان کو وقوع میں آیا - ظاھر ھے کہ ان نیرین کا کسوف و خسوف ماہ رمضان میں واقع ھونا انسانی دسترس سے بالا تر ھے اور اس واقعہ کی مختلف تاویلات نہیں کی جا سکتیں - یہ واقعہ مدعی مجددیت و محدویت کی صداقت پر نہایت ھی واضح اور نہایت ھی روشن اور نہایت ھی مؤثر شہادت ھے -

اس واقعہ کو شہادت کیونکر قرار دیا جاتا ھے ؟ اس لئے کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے پیشگوئی کی تھی کہ آخری زمانہ کے مہدی کی سچائی ظاھر کرنے کے لئے ماہ رمضان میں سورج و چاند دونوں کو گرھن لگے گا اور جب سے زمین و آسمان وجود میں آئے ھیں کبھی ماہ رمضان میں دونوں نیرین کو گرھن نہیں لگا -

حضور کی فرمودہ پیشگوئی کے الفاظ یہ ھیں -

اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ يَنْخَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ

کہ بیشک ھمارے مہدی کے لئے دو نشان ھیں جو کبھی کسی

دوسرے کے لئے نہیں ہوئے جب سے آسمان و زمین کو پیدا کیا گیا ہے ۔ اور وہ یہ ہیں کہ رمضان میں چاند گرہن اس کی پہلی رات میں ہوگا (چاند گرہن کی مقررہ راتوں کی پہلی رات کو) اور اسی مہینے میں سورج گرہن اس کے درمیانی دن میں ہوگا (یعنی سورج گرہن کی مقررہ دنوں کے درمیانی دن کو) ۔

حضور نبی کریم ﷺ کے ان کلمات طیبات کو عامة الناس نے ۱۸۹۴ء کے ماہ رمضان میں پورے ہوتے دیکھا ۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا انکار قطعاً ممکن نہیں ہے ۔ اس واقعہ نے ایک شہادت پیش کی ہے کہ ہمارے رسول کریم ﷺ کی پیشگوئی پوری ہوئی اور اس پیشگوئی کے پورا ہونے نے ہمارے سامنے ہمارے رسول کے برحق ہونے پر ایک دلیل قائم کی ۔ ہم مسلمانوں کے لئے یہ واقعہ موجب فخر اور موجب ازدیاد ایمان ہے ۔ ہم جتنا ہی اس پر اظہار مسرت کریں اتنا ہی کم ہے ۔

یہ واقعہ جس طرح حضور نبی کریم ﷺ کے برحق ہونے پر شہادت دیتا ہے اسی طرح سے حدیث مجدد کے برحق ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے اور اس امر کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ اس حدیث کا مصداق جو زمانۂ حال کا مدعی ہے وہ بھی سچا ہے ۔

منکرین حدیث پر حجت قائم کرنے کے لئے یہ ایک ہی واقعہ کافی ہے

اور یہ ایک ہی واقعہ ان لوگوں پر بھی حجت قائم کرتا ہے جو حضور نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کے منکر ہیں - جن میں پیشگوئیاں درج ہیں - یہ بصیرت افروز آسمانی گواہی ان کے مزعومات کی اصلاح کے لئے کافی ہے -

مصر کے فتح کرنے کی پیشگوئی

ایک اور حدیث جس میں پیشگوئی درج ہے -

فرمایا :—

سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَيْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَرَحِمًا

یعنی تم ملک مصر کو فتح کرو گے اس وقت اہل مصر کے ساتھ ہر طرح کی خیر و بھلائی کا سلوک کرنا - کیونکہ ان کو اسلامی سلطنت کے باشندے ہو جانے سے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے یہ عہد حاصل ہو جائے گا کہ ان کے جان و مال اور عزت و دین کی حفاظت کی جائے اور مزید برآں حضرت ہاجرہ کی طرف سے ہمارا ان کے ساتھ رحمی رشتہ بھی ہے - اس کا لحاظ کرنا بھی لازم ہوگا -

ایک وقت آیا کہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی - یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے کہ کوئی انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا - اس قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے سے یقین آتا ہے کہ خدا یقیناً عالم الغیب

ہے اور خدا تعالیٰ واقعی قادر مطلق ہے اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا حضور سرور کائنات کی رسالت کے بر حق ہونے پر نہایت روشن دلیل ہے۔

قیصر و کسریٰ کے متعلق پیشگوئی

فرمایا :—

لَتَفْتَحُنَّ كُنُوْزَ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ وَلَتُنْفِقُنَّهُمَا فِیْ سَبِيْلِ اللهِ

یعنی تم ضرور ایران و شام کو فتح کروگے اور کسریٰ و قیصر کے خزانے تمہارے ہاتھ آئیں گے جنکو تم خدا کی راہ میں صرف کر سکوگے - اس پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھنے والے نہ صرف مسلمان تھے بلکہ اہل ایران اور اہل شام نے بھی حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو پورا ہوتے ہوئے مشاہدہ کیا اور ایران و شام کی نہایت ہی شاندار سلطنتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئیں۔ وہ امور جو نا ممکن نظر آتے تھے ممکن ہو گئے اور ان فتوحات کو نہایت ہی عظیم الشان واقعات قرار دیا گیا ہے۔

عدی بن حاتم طائی نے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا مشاہدہ کیا - چنانچہ وہ کہتے ہیں :—

كُنْتُ فِيْمَنْ فَتَحَ كُنُوْزَ كِسْرٰى

یعنی میں بھی ان لوگوں میں موجود تھا جنھوں نے ایران کے خزانے اپنے ھاتھ سے کھولے - ان واقعــات نے مسلمانوں کے ایمان کو تقویت پہنچائی اور جو سرور ان کو حاصل ھؤا اور جو وجد ان پر طاری ھؤا - اس کی کیفیت کو الفــاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا -

اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کی ایک دوسری پیشگوئی کی طرف خیال چلا گیــا ھے - وہ یہ ھے کــہ حضور نے سراقــہ بن بعشم سے فرمایا تھا :-

كَيْفَ بِكَ اِذَا لَبِسْتَ سِوَارَ كِسْرٰی عَلٰی يَدَيْكَ

تمہارے دل کی کیــا کیفیت ہوگی جب تم کسریٰ بن ھرمز کے جڑاؤ کنگن اپنے ھاتھوں میں پہنو گے - سراقہ نے اپنا بازو ننگا کیــا جس پر بکری کی طرح بال اُگے ہوئے تھے اور کہا کسریٰ کے کنگن اس کلائی پر! حضور ﷺ نے فرمایا - ضرور - ضرور -

كَاَنِّیْ بِكَ وَسِوَارُ كِسْرٰی عَلٰی يَدَيْكَ

میں تو دیکھ رھا ھوں کہ میں آپ کے ساتھ ھوں اور آپ کی کلائی پر کسریٰ کے کنگن ھیں -

جب ایران فتح ھؤا اور حضرت عمر رضؓ نے وھاں دربار لگایا تو سراقہ کو طلب کیا اور فرمایا - یہ کنگن پہنو - اس نے عرض کیا -

مسلمان سونا نہیں پہنتا ۔ حضرت عمر رض نے فرمایا ۔ حضور نبی کریم ﷺ کے الفاظ پورا کرنے کی لذت حاصل کرنے دو ۔ حضرت عمر رض پر ایک وجد طاری تھا ۔ ان کو خدا نظر آتا تھا ۔ انہوں نے بار بار اللہ اکبر کے نعرے بلند کئے اور سراقہ کے ہاتھوں میں کنگن دیکھ کر بڑی لذت و سرور کے ساتھ یہ کلمات فرمائے :۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَلَبَهُمَا کِسْرٰی ابْنَ هُرْمُزَ وَ اَلْبَسَهُمَا

سُرَاقَةَ ابْنَ جُعْشُمَ

سلب اور البس کے الفاظ استعمال فرما کر ادبی لطف پیدا کر دیا ۔ دونوں لفظوں میں س ۔ ل اور ب ھیں ۔ سلب کے معنے چھیننا اور البس کے معنے پہنا دینا ھیں ۔

ازواج مطہرات کے متعلق پیشگوئی

حضور نبی کریم ﷺ جب آخری بیماری میں صاحب فراش تھے تو ایک دن حضور کے ارد گرد ازواج مطہرات جمع ہوئیں اور فراق کو سامنے پا کر تشویشناک ہوئیں ۔ اس پر حضور نے فرمایا ۔ ہم پھر اکٹھے مل بیٹھیں گے ۔

اَسْرَعُکُنَّ لِحَاقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا

یعنی سب سے پہلے وہ بی بی مجھے آ ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں ۔ اس پر ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھ ناپنے شروع کر دئیے ۔ سب سے لمبے ہاتھ سودہ رضؓ کے نکلے اور سب سے چھوٹے زینب رضؓ کے ۔ یہ سب کچھ حضور کے سامنے ہؤا لیکن حقیقت یوں آشکارا ہوئی کہ زینب رضؓ سب سے پہلے رحلت کر گئیں ۔ ان کی وفات نے یہ انکشاف کیا کہ لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت ہوتی ہے نہ ہاتھوں کا طول ۔ حضرت زینب رضؓ جود و سخا میں بہت بڑھی ہوئی تھیں ۔

جنگ احزاب کے موقعہ پر ایک پیشگوئی

جنگ احزاب کے موقعہ پر حضور ﷺ اور حضور کے متبعین کی تسلی کے لئے خدا تعالیٰ نے ایک کشف میں دکھایا کہ اگرچہ عرب کے تمام قبائل مدینہ پر حملہ آور ہوئے ہیں تاکہ اسلام اور اسلام کی نام لیوا جماعت کو مٹا دیں مگر یہ لوگ اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہیں ہوں گے ۔ خدا آپ کی حفاظت کرے گا ۔ اور آپ کی جماعت پر برکات نازل فرمائے گا اور ان کو ایک وسیع سلطنت کا مالک بنا دیا جائے گا ۔

دشمن کے خوفناک لشکر اور خوفناک ارادوں کی مدافعت کرنے کے لئے حضور نے اپنے لشکر سے جو تین ہزار نفوس پر مشتمل تھا مشورہ کیا ۔ دوران مشورہ میں سلمان فارسی نے کہا کہ

ھمارے ملک میں ایسے نازک موقع پر خندق میں بیٹھ کر جنگ کرنے کا دستور ہے ۔ مناسب ہے کہ مدینہ کی اس طرف جو دشمن کے سامنے ہے خندق کھودی جائے۔ حضور نے سلمان کا مشورہ پسند فرمایا اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ۔ پھر کیا تھا سارے کا سارا لشکر بمعہ حضور نبی کریم ﷺ کے سرگرم عمل ھوگیا ۔ اس کام کے انجام دینے میں سب سے زیادہ مستعدی اور سرگرمی سلمان نے دکھائی ۔ وہ اکیلا کئی اشخاص کے برابر کام کر رھا تھا ۔ اس کی تجویز اور اس کی اخلاص بھری سعی پر خراج تحسین پیش کرنے کے لئے مہاجرین بولے :—

سَلْمَانُ مِنَّا

یعنی سلمان کو ھم اپنے میں شمار کرتے ھیں ۔ اس پر انصار بولے :—

سَلْمَانُ مِنَّا

نہیں جی ۔ سلمان ھم میں شامل ہے ۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا :—

سَلْمَانُ مِنَّا اَھْلِ الْبَیْتِ

سلمان رض تو ھمارے اھلبیت میں شمار ھوگا ۔

خندق کی کھدائی کے درمیان میں ایک کشف رونما ھؤا ۔ وہ اس طرح پر کہ کھودتے کھودتے ایک چٹان نمودار ھوئی جو

نہایت سخت ثابت ہوئی - مسلمان سپاہیوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یہ چٹان ٹوٹتی نہیں - یہ سن کر حضور ﷺ نے اپنا کدال اٹھایا اور ان کے ساتھ چٹان پر پہنچے اور اتنے زور سے اس چٹان پر ضرب لگائی کہ وہ پھٹ گئی - اس کے پھٹنے کے ساتھ ایک شعلہ نکلا - حضور نے ایک نعرہ بلند کیا اور فرمایا میں نے اس روشنی میں شام کے محلات دیکھے ہیں اور ان کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہیں - پھر دوبارہ ضرب لگائی تو چٹان کا دوسرا حصہ بھی پھٹ گیا اور اس میں سے بھی ایک شعلہ پیدا ہؤا - حضور نے پھر اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا اور فرمایا اس روشنی میں مجھے ایران کے محلات دکھائے گئے ہیں اور ان کی چابیاں مجھے عطا کی گئی ہیں - پھر تیسری ضرب لگائی اور شعلہ نکلا - حضور نے یمن کی فتح کی خوشخبری سنائی - اس کشف کے اندر تین عظیم الشان فتوحات کی پیشگوئیاں کی گئیں جو اپنے وقت پر پوری ہوئیں - ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا خدائے بزرگ و برترکی ہستی کی دلیل تھی - ان پیشگوئیوں کے ظہور پذیر ہونے میں حضور سرور کائنات کی رسالت کے برحق ہونے کی دلیل تھی - ان پیشگوئیوں نے یہ حقیقت ثابت کر دکھائی کہ پیشگوئی جو زبان نبویؐ پر بیان کی جاتی ہے وہ قرآن میں ہو یا حدیث میں وہ برحق ہے اور وہ اپنے اندر حقیقت رکھتی ہے اور ایک

ہت بڑے مقصد کے پیش نظر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی زبان پر جاری کی جاتی ہے - ان پیشگوئیوں کا استخفاف کرنا مقاصد الٰہیہ سے ہنسی کرنا ہے اور اپنی لا علمی کو روشن کرنا ہے - خندق کھودنے میں جو عجیب و غریب مشاہدات ہوئے اُن کا ذکر کتب حدیث میں اور کتب تفاسیر میں اور کتب سیر میں یوں درج ہے :-

لَمَّا كَانَ حِيْنَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِحَفْرِ الْخَنْدَقِ عَرَضَتْ لَنَا فِىْ بَعْضِ الْخَنْدَقِ صَخْرَةٌ لَا تَاخُذُ فِيْهَا الْمَعَاوِلُ فَاشْتَكَيْنَا ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ فَجَآءَ وَاَخَذَ الْمِعْوَلَ فَقَالَ بِسْمِ اللهِ ثُمَّ ضَرَبَهُ فَنَثَرَ ثُلُثَهَا وَقَالَ اللهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ وَاللهِ اِنِّىْ لَاُبْصِرُ قُصُوْرَهَا الْحُمْرَاءَ السَّاعَةَ ثُمَّ ضَرَبَ الثَّانِيَّةَ فَقَطَعَ ثُلُثاً آخَرَ فَقَالَ اللهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِسَ وَاللهِ اِنِّىْ لَاُبْصِرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْيَضَ الْاٰنَ ثُمَّ ضَرَبَ

الثَّالِثَةَ وَقَالَ بِسْمِ اللهِ فَقَطَعَ بَقِيَّةَ الْحَجَرِ فَقَالَ اللهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ وَاللهِ اِنِّیْ لَاُبْصِرُ اَبْوَابَ صَنْعَاءَ مِنْ مَّكَانِی السَّاعَةَ

ان ناممکن الوقوع باتوں کو اپنوں نے اور غیروں نے پورے ہوتے دیکھا۔ لیکن تعجب ہے آج بعض لوگ جو مسلمان ہیں ان تاریخی حقائق و شواہد کا انکار کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت کے مشرق و مغرب میں پھیلنے کے متعلق ایک کشف

خدا تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو کشف میں مشرق ومغرب کے ممالک دکھائے۔ اس کشف کا مطلب یہ تھا کہ حضور کو اور حضور کے متبعین کو ان ممالک کی سلطنت و بادشاہت عطا کی جائے گی۔ وہ کشف یہ ہے :—

اِنَّ اللهَ زَوَی لِیَ الْاَرْضَ فَاُرِیْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا فَاِنَّ اُمَّتِیْ هٰذِهٖ سَیَبْلُغُ مَا زُوِیَ لِیْ مِنَ الْاَرْضِ

یعنی خدا نے مجھے زمین کا نقشہ سکیڑ کر دکھایا ہے۔ اس میں مجھے مشرق و مغرب کے ممالک دکھائے گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا اس سے میں

نتیجہ اخـذ کرتا ھوں کہ میری امت ان ممالک پر قبضہ کرے گی جو مجھے دکھائے گئے ھیں - چـنانچہ ایسا ھی ھؤا - چین ‘ کاشغمـد ‘ سمر قنـد ‘ بخارا ‘ افغـانستان ‘ ایران ‘ شام ‘ مصر اور مصر سے لے کر مراکو تک کے سارے ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور اب تک ان کے قبضہ میں ھیں - مراکو فتح کرنے کے بعد مسلمانوں نے سپین فتح کیا اور اس ملک پر سات آٹھ صدیاں حکومت کی اور قسطنطنیہ فتح کیا جس پر آج تک اسلامی پرچم لہراتا ھے - ان ممالک کے علاوہ بحیرہ روم کے بعض جزائر بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے تھے -

یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی تھی - اس قسم کی پیشگوئی کرنا کسی بشر کا کام نہیں ھے - اس پیشگوئی کا کرنے والا قادر مطلق خدا ھے - جس کا عـلم اور قـدرت ھر چیز پر احاطـہ کئے ھوئے ھیں - وہ سب کچھ جانتـا ھے اور ھر چیز کے کرنے پر قادر ھے - یہ پیشگوئی اسلام کی صـداقت پر ایک نہایت ھی واضح دلیـل ھے - اس پیشگوئی کے مطابق جو لمبی چوڑی اسلامی سلطنت معرض وجود میں آئی وہ تمام دنیـا کے مشاھدہ میں آچکی ھے - منکرین حدیث غور کریں کہ ان کا اقـدام کیسا غلط اور کیسا خطرناک ھے !

مصر کی پیش کردہ دو شہادتیں

مصر نے ھمارے اس زمانہ میں دو شہادتیں دنیا کے سامنے پیش

کی ہیں - ایک شہادت اس بارے میں ہے کہ قرآن کریم سچی کتاب ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے منزل ہے اور دوسری شہادت حدیث کی حقانیت کے بارے میں ہے - ان دونوں شہادتوں کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے -

شہادت متعلق قرآن

اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ حضرت موسیٰ اور ان کی ناتواں قوم کے مقابل پر فرعون جیسی مقتدر ہستی کو جس کے لشکروں اور خزانوں کی کچھ انتہا نہ تھی تباہ کر دیا جائے گا - چنانچہ ایسا ہی ہؤا - خود فرعون بمعہ اپنے لشکروں کے غرق ہو گیا - اس کو غرق کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری لاش کو سمندر میں مفقود ہونے اور مچھلیوں کا شکار بن جانے سے بچا لیں گے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری اس لاش کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں - کہ حق پرست اگرچہ بادی النظر میں ناتواں ہوں جاہ و حشمت والے باطل پرست انسانوں پر فتح پاتے ہیں - کیونکہ خدا کی نصرت ان کے شامل حال ہوتی ہے - اللہ تعالیٰ اس واقعہ کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے :-

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ○

حضرت موسیٰ کا زمانہ حضور سے دو ہزار سال پہلے کا ہے اور حضور کے زمانہ پر تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد اس پیشگوئی کا پورا ہونا منظر عام پر آتا ہے - حضرت موسیٰ کے مقابل پر جو فرعون تھا اس کا نام رعمیسس ثانی تھا - اس کی ممی کے متعلق ہمارے زمانہ میں انکشاف ہؤا ہے - اس ممی کا محفوظ کیا جانا قرآن کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ کس طرح اس کی بیان کردہ پیشگوئی پوری ہوئی - فرعون کی لاش کا سمندر سے مل جانا اور اس لاش کو ایسا مصالحہ لگایا جانا کہ اس کو اس وقت تک محفوظ کیا جا سکے انسانی علم اور انسانی قدرت سے بالکل بالا تر ہے - ایسا کر دکھانا صرف خدا تعالیٰ کی مشیت سے ہو سکتا ہے - اس قادر مطلق عالم الغیب خدا نے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ ہم نے فرعون کی لاش کو سمندر سے نکال لیا ہؤا ہے اور اس کو محفوظ کر دیا ہؤا ہے - یہ بات حضور کی رسالت پر بھی ایک نہایت روشن دلیل ہے - یہ واقعہ اس زمانہ کے انسانوں کے لئے عبرت آموز ہے -

شہادت متعلق حدیث

مصر کی دوسری شہادت حدیث کی حقانیت کے بارے میں ہے اور وہ اس طرح پر ہے -

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے شاہان ایران و شام و مصر کے نام تبلیغی خطوط لکھے تھے - ان خطوط سے متعلق تفصیلات کتب احادیث میں مندرج ہیں - منکرین حدیث اہل قرآن ہوں یا وہ لوگ جو حدیث کے صرف ایک حصہ کو تسلیم کرتے ہیں جس کا نام سنت ہے اور باقی ماندہ احادیث کا جن میں علوم و معارف کے خزینے موجود ہیں انکار کرتے ہیں - ان سب کے لئے یہ واقعہ بصیرت افروز ہے - حضور ﷺ نے جہاں کسریٰ اور قیصر کے نام تبلیغی خطوط لکھے وہاں مقوقش شاہ مصر کے نام بھی اس نوع کا مکتوب ارسال فرمایا - ایسے خطوط بھیجتے وقت حضور کے اصحاب نے یہ مشورہ دیا کہ ان شاہان کے نام خطوط اس وقت قابل اعتنا ہوتے ہیں جب ان پر مہر ثبت ہو - چنانچہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے اس مہم کے انجام دینے کے لئے ایک مہر تیار کرائی - جس پر یہ نقش کندہ تھا - اللہ / رسول / محمد اور خط کے اختتام پر یہ مہر ثبت کی گئی اور ایک قاصد کے ہاتھ مقوقش کی طرف ذیل کا خط ارسال کیا گیا :-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ

سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ

بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ
مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ ۔ يَا اَهْلَ
الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ
بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

الله
رسول
محمد

ہمارے زمانہ میں یہ انکشاف ہؤا ہے کہ خط مصر میں اس وقت تک محفوظ ہے ۔ خدا نے اس خط کی حفاظت کی تاکہ دنیا پر یہ امر روشن ہو جائے کہ جس خط کا ذکر حدیث میں ہے وہ بالکل درست ہے ۔ اس خط کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے تاکہ ناظرین خود دیکھ لیں کہ جس خط کا ذکر حدیث میں ہے وہی خط بعینہ مصر میں موجود ہے جس کی نقلیں بار بار دنیا کے مختلف جرائد میں مشتہر ہو چکی ہیں ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ

اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ

اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ۔ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ

يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا

وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا

وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ

تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

اللہ
رسول
محمد

منکرین حدیث کی آنکھیں کھولنے کے لئے یہ شہادت کافی ہونی چاہئے اور ان کو نظر آنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے حدیث کی ثقاہت ثابت کرنے کے لئے اپنی جناب سے سامان مہیا کر رکھے ہیں۔ مصر کی یہ

شہادت جو اس نے حدیث کی حقانیت کے بارے میں پیش کی ہے اس امر کی بھی شہادت ہے کہ وہ تبلیغی خطوط جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شاہ ایران اور ہرقل شاہ شام کے نام لکھے تھے وہ بھی متحقق ہیں۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى نَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ

حضور نبی کریم ﷺ کی کثیر التعداد حدیثیں آیات قرآنیہ کا ترجمہ و تفسیر ہیں

آیات قرآنیہ کا ترجمہ و تفسیر کرنا حضور کے ذمے ایک فریضہ تھا - جیسا کہ آیت کریمہ

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ظاہر کرتی ہے - حضور نے جو ترجمہ یا تفسیر بیان کی ہے وہ حدیث ہے - اس ترجمہ یا تفسیر کا انکار کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے جو کفر ہے -

ذیل میں نمونہ کے طور پر چند احادیث لکھی جاتی ہیں جو آیات قرآنیہ کا ترجمہ ہیں - یہ احادیث ہیں سنت نہیں ہیں - ان احادیث کو جو ترجمہ یا تفسیر ہیں کیسے رد کیا جا سکتا ہے -

قرآن مجید کی ایک آیت ملاحظہ کیجئے جس کی روشنی میں حضور ﷺ نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو تلقین کی کہ ہم آہنگ ہو کر حکومت یمن کا کارو بار چلانا - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اس آیت کریمہ کی روشنی میں حضور نے فرمایا :۔

تَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا

یعنی اتفاق سے چلنا اور اختلاف نہ کرنا ۔ اس میں منکرین حدیث کے غور و فکر کے لئے غذا ہے ۔ ایک اور آیت و حدیث میں تطابق ملاحظہ کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اس آیت کریمہ پر حضور کا عمل تھا ۔ چنانچہ رات کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے ۔

اٰمَنْتُ بِكِتَابِ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَنَبِیِّكَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ

خدا تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا :۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ

اور حضور نے اس ایمان لانے کی اپنی زبان مبارک سے تصدیق کی قرآن کریم اور حدیث کے مابین موافقت اور مطابقت کے انکار میں کونسا فائدہ مدنظر ہے ۔ منکرین حدیث کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ۔ محولا بالا آیت اور حدیث کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ۔

حضور پر بھی اپنی رسالت پر ایمان لانا فرض قرار دیا تھا ۔ تو معلوم ہؤا کہ حضور کی شخصیت کو رسالت کے پہنچانے میں بہت بڑا دخل ہے ۔ منکرین حدیث اس پر غور کریں ۔

اسی سلسلہ میں ذیل کی آیت ملاحظہ ہو ۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ

حضور نے اس آیت کا ترجمہ یا تفسیر بیان کی یا اس آیت کی روشنی میں ذیل کا ارشاد فرمایا :—

اِنَّ اللهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ

اور فرمایا :—

اِنَّ اللهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ مَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحاً وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ

اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے مؤمنین کی عزت افزائی فرمائی اور انہیں روحانی منازل طے کرنے کا طریق بتایا ۔ منکرین حدیث اس پر غور کریں ۔

حضور نے سعد بن ابی وقاص کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا ۔

أَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ

حلام طیب کھانا کھایا کرو ۔ مستجاب الدعوات بن جاؤ گے ۔ اور عام طور پر مستجاب الدعوات بننے کے لئے حضور تلقین فرمایا کرتے تھے ۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ طَمَانِيْنَةٌ

اور فرمایا کرتے تھے ۔

إِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ رِيْبَةٌ

یعنی راستبازی اختیار کرو ۔ کیونکہ راستبازی کا نتیجہ اطمینان قلب ہے اور جھوٹ سے بچو ۔ کیونکہ چھوٹ بولنا دل میں تردد و اضطراب پیدا کرتا ہے ۔ اور فرماتے تھے ۔

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ

اور فرماتے تھے :—

إِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ

یہ حدیثیں قرآن کریم کی آیات بینات کا ترجمہ ہیں - جن میں صدق اور صادقین کی تعریف فرمائی گئی ہے اور جھوٹ پر لعنت بھیجی گئی ہے -

ایک ہی مقدس ہستی صاحب قرآن بھی ہے اور صاحب حدیث بھی اس لئے قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطالب یقینی طور پر ایک ہی ہونے چاہئیں - ان مطالب میں سر موفرق نہیں ہو سکتا - اور یہ کہنا بالکل درست ہوگا - کہ احادیث نبوی قرآن حکیم کا ترجمہ ہیں - کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صاحب قرآن کو معلّم و مفسّر قرآن کا درجہ بھی عطا کر رکھا ہے - جیسا کہ فرمایا :-

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

یعنی حضور نبی کریم ﷺ قرآن حکیم کی توضیح و تشریح بھی کرتے ہیں - اور احکام الٰہی کی حکمت بھی بیان کرتے ہیں - اس لئے ان کے ارشادات دوسرے لفظوں میں خدا تعالیٰ کے احکامات ہیں - چنانچہ بعض احادیث لفظی پابندی کے ساتھ قرآن کریم سے پوری مطابقت اور پوری موافقت رکھتی ہیں - مثلاً

لَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْفُتُوحَ قَالَ مَنْ تُوُفِّيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

وَتَرَكَ مَالاً فَلِوَرَثَتِهِ مَنْ كَانُوا وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا

اَوْ ضِيَاعاً فَعَلَيَّ وَاِلَيَّ فَاقْرَؤُا اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى

بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فتوحات نصیب کیں تو حضور نے یہ اعلان فرمایا - جو مسلمان وفات پا جائے اور مال چھوڑ جائے تو وہ مال اس کے ورثا کا ہوگا - ورثا جو بھی ہوں - لیکن وہ مسلمان جو مر جائے اور پیچھے قرضہ یا چھوٹی چھوٹی اولاد چھوڑ جائے تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر ہوگی - میں اس کا قرضہ بھی ادا کروں گا اور چھوٹے بچوں کی پرورش کرنا بھی میرے ذمہ ہوگا - یہ اس لئے ہے کہ قرآن کریم نے میرے ذمے یہ فریضہ عائد کیا ہے - جو اس آیت کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے -

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ

منکرین حدیث اس بیش قیمت حدیث کو کس طرح رد کرنے کی جسارت کرتے ہیں - جو قرآن کریم کا ترجمہ ہے اور قرآن کریم کی آیت کے موافق عمل ہے اور ایسا عمل ہے - جو قوم کو ہر طرح کی قربانی کرنے پر آمادہ کرتا ہے - آنحضرت ﷺ اپنے اس عمل سے دنیا جہان کے بادشاہوں کے لئے ایک نہایت ہی قابل قدر نمونہ پیش کرتے ہیں - حضور کا نمونہ مختص الزمان نہ تھا اور نہ ہی مختص القوم تھا - حضور کا نمونہ تمام انسانیت کے لئے ہے - اس میں بادشاہوں کے لئے نمونہ ہے انہیں چاہیئے کہ پبلک ٹریژری کو اپنے نفس کی خاطر

انڈیل دینے کی بجائے پبلک کے کم استطاعت غربا پر صرف کریں - دنیا کے بادشاہ اس سبق کو اپنے دلوں میں جگہ دیں -

ایک منکر حدیث نے اپنے پیر و مرشد علامہ اقبال کی عبارت اپنے عقیدہ کی تائید میں پیش کی ہے - کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نظرئیے توعالمگیر تھے- لیکن ان کے اعمال اپنی قوم کے ساتھ ھی وابستہ تھے - یعنی اپنے ماحول کی حدود سے تجاوز نہ کرتے تھے - خدا جانے کیوں یہ نہایت درجے کی بے ادبی اور گستاخی اقبال کی طرف منسوب کی گئی ہے - مرید نے اپنے مرشد کو بے ادب ھی نہیں کم علم بھی ثابت کر دکھایا ہے -

غور و فکر کے لئے ایک اور حدیث کا بیان کرنا مفید ھوگا جو قرآن کریم کی آیات کے مطابق ہے - یہ حدیث حضور کے عمل میں آگئی تھی - اور اس میں دنیا جہاں کے انسانوں کے لئے اور بالخصوص لیڈروں کے لئے نہایت قیمتی نمونہ اور نہایت مفید سبق ہے - اس حدیث پر حضور ﷺ نے عمل کر دکھایا - یہ عمل نہایت ھی مشکل ہے اور اس سے ثابت ھوتا ہے کہ حضور ﷺ اخلاق فاضلہ کی بلندیوں کے انتہائی نقطہ پر پہنچے ھوئے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ

اور فرمایا :—

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ

نیز فرمایا :—

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ

حضور ﷺ نے ان آیات کے پیش نظر فرمایا :—

لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰ ثُمَّ اُقْتَلُ

چنانچہ حضور ﷺ صف اول میں لڑا کرتے تھے اور ان کی شجاعت بڑے بڑے شجاع مردان کار زار پر سبقت لے جاتی تھی۔ حضرت علی شیر خدا فرمایا کرتے تھے۔

اِذَا اشْتَدَّ الْبَاْسُ اِتَّقَيْنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ

جب جنگ کی شدت بڑھ جاتی تھی تو ہم حضور کی اوٹ میں پناہ لے کر لڑا کرتے تھے۔ حضور نے احد کی لڑائی میں اور حنین کی لڑائی میں انتہائی درجے کی شجاعت کا نمونہ پیش کیا۔ دونوں دفعہ

مسلمان لشکر میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا - لیکن حضور ﷺ نے دونوں مشکل حالات میں جب خوف کے مارے انسان بے اختیار اپنی جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کرتا ہے یہ نعرہ بلند کیا -

اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبْ - اَنَا بْنُ عَبْدُالْمُطَّلِبْ

یہ شجاعت کا بے عدیل نمونہ ہے - حضور کے اس نمونہ نے مسلمان لشکر کے دلوں کے اندر قوت پیدا کر دی اور وہ واپس آ کر اس بے جگری سے دشمن پر حملہ آور ہوئے - کہ دشمن کو بھاگتے بنی - منکرین حدیث اگر اس حدیث پر غور کریں گے - تو حضور کے عمل کو اللہ تعالیٰ کے کلام کے موافق پائیں گے -

یہ حدیث اور اس حدیث پر عمل نہ ہی مختص الزمان ہے - اور نہ ہی مختص القوم ہے ہر وہ شخص جو لیڈری کے خواب دیکھتا ہے اسے اس مشکل ترین عمل کو اختیار کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے یہ معیار انتہائی بلند ہے - معدودے چند اشخاص ہی اس معیار پر صحیح لیڈر ثابت ہونگے -

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ

اخلاق فاضلہ ایسے ہی اعمال کا نام ہے اس نمونہ نے مسلمان قوم کے دلوں میں جام شہادت پینے کا جذبہ پیدا کر رکھا تھا اور اس قربانی کی روح نے قوم کو معراج ترقی پر پہنچا دیا تھا -

جس قوم میں یہ روح باقی نہیں رہتی وہ مر جاتی ہے - باتیں

کرنے سے قوم میں یہ روح پیدا نہیں کی جا سکتی - باتیں کرنے والوں میں جب تک ایثار و قربانی کی صفات نظر نہ آئیں - تب تک ان کو حقیقی عزت کا مقام حاصل نہیں ہوتا - حضور کی ایک اور حدیث ملاحظہ ہو - فرمایا :—

اِنَّ الذُّنُوبَ تُغَيِّرُ النِّعَمَ

یعنی گناہ کی زندگی اختیار کرنے کے باعث خدا کی نعمتیں سلب کر لی جاتی ہیں یا نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں - یہ حدیث جو اپنے اندر زندگی کو صحیح طریق پر چلانے اور خداداد نعمتوں کا صحیح استعمال کرنے کا فلسفہ رکھتی ہے - ایک عالمگیر حقیقت کی حامل ہے - اس کو مختص الزماں یا مختص القوم کہنا اپنی جہالت کا اظہار کرنا ہوگا -

یہ حدیث بھی قرآن کریم کا ترجمہ ہے - اس کے متعلق قاضی عیاض اندلسی نے اپنی مشہور سیرت کی کتاب الشفاء میں لکھا ہے - کہ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت سے لی گئی ہے -

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

قاضی صاحب موصوف نے اغلباً خوف طوالت سے قرآن کریم کی دوسری آیت جو اس آیت کے ہم معنے بھی ہے اور اس آیت کی تفسیر بھی بیان نہیں کی - وہ آیت کریمہ یہ ہے -

ذَالِكَ بِاَنَّ اللهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّراً نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یعنی خدا تعالیٰ کسی قوم کی کسی نعمت کو جو اس نے قوم کو عطا کر رکھی ھو زائل نہیں کرتا۔ جب تک وہ اپنے کردار کے اندر بد اخلاقی و بدکرداری پیدا نہ کر لے۔ یہ فلسفہ حیات سکھاتا ھے کہ نعمتوں کی قدر دانی نہ کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ھیں مثلاً بدکرداری سے کبھی کسی نے اپنی خوبصورت جوانی تباہ کر لی اور بد کرداری سے کبھی کسی نے اپنی دولت تباہ کر لی اور تنگ دستی کی زندگی خرید لی اور بد کرداری کی وجہ سے کبھی کسی نے اپنی عزت و شہرت برباد کر لی۔

اسی ضمن میں حضور نے ایک اور حدیث ارشاد فرمائی۔ وہ یہ ھے۔

اِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ رِزْقَهُ بِذَنْبٍ يُصِيبُهُ

انسان گناہ کر کے اپنا رزق گنوا لیتا ھے۔ یہ بات مشرق و مغرب کے تجربہ میں درست ھے۔ چوری کرنے والا خادم ملازمت سے علیحدہ کر دیا جاتا ھے۔ بد دیانت مینیجر کو اس کے عہدے سے سبکدوش کر دیا جاتا ھے۔ رشوت لینے والے افسر کو معزول کر دیا جاتا ھے۔

وغیرہ وغیرہ۔

اسی ضمن میں حضور نے معاذ بن جبل کو گورنر یمن مقرر کرتے وقت فرمایا تھا :-

اِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ

یعنی معصیت الٰہی سے بچنا۔

فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَّۃِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰہِ

کیونکہ معصیت سے خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے یہ دائمی اور ابدی اقدار کی حامل حدیثیں ہیں۔ یہ حدیثیں کسی اسناد کی محتاج نہیں ہیں۔ یہ حدیثیں جرح و قدح و تعدیل سے مجروح ہونے کا خوف نہیں رکھتیں۔ یہ حدیثیں ایسی صداقتیں اور ایسی حقیقتیں اپنے اندر رکھتی ہیں کہ کوئی منصف مزاج انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا۔

اس ضمن میں حضور ﷺ نے فرمایا :-

اَلْمَعْصِیَّۃُ تُطْفِیُٔ نُوْرَ الْقَلْبِ

یعنی گناہ کے ارتکاب سے دل کا نور بجھ جاتا ہے اور انسان تاریکی میں پھنس جاتا ہے اور یہ بھی فرمایا :-

اِنَّ ضَرَرَ الذُّنُوْبِ کَضَرَرِ السُّمُوْمِ فِی الْاَبْدَانِ

یعنی گناہ ایسا ہی قلب و روح کے لئے مہلک ہے جیسے سموم انسان

کے بدن کے لئے مہلک ہے۔ نا معلوم منکرین حدیث دنیا کے کس نرالے مکتب کے تعلیم یافتہ ہیں۔ جو ان روشن اور معقول حدیثوں کو رد کرنے کی جرأت کرتے ہیں جو اپنے اندر ابدی حقائق رکھتی ہیں۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کا ترجمہ و تفسیر ہے۔ فرمایا :۔

یَآاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالاً
کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ
وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ○

یہ آیت مسلمانوں کے دلوں سے تمام قسم کے تعصبات اور تنگ ظرفی اور تمام قسم کی تنگ نظری کو دور کرنے کے لئے ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ جو رب العالمین کی طرف سے رسول تھے۔ ان کا قلب سلیم تمام قسم کی بد اخلاقیوں سے مبرا تھا اور تعصبات کی آلائشوں سے پاک تھا۔ حضور کے قلب کی وسعت اس قدر تھی کہ تمام دنیا کی قومیں اس میں سما سکتی تھیں۔ حضور نے فرمایا تمام کی تمام انسانیت اللہ تعالی کا

عیال ہے۔ فرمایا :-

اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ کُوْنُوْا

عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا

جس طرح یہ نظریہ حضور کی وسعت قلبی پر دلالت کرتا ہے اسی طرح حضور کا عمل بھی خلق عظیم کا نمونہ ہے۔ دو دفعہ حضور نے اس نظریہ کے مطابق عمل کر کے دکھایا - مضر قوم مسلمانوں کی دشمن تھی اور مسلمانوں کو مکہ میں آنے سے روکتی اور ان کو سخت اذیت دیا کرتی تھی۔ خدا کی شان یہ قوم بد حالی کا شکار ہو گئی اور تنگدستی اور مفلسی نے ان کو مجبور کر دیا کہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر الغیاث ! الغیاث ! کا درد انگیز نعرہ بلند کریں۔ ان کی خستہ حالت اور ان کے بوسیدہ لباس دیکھ کر حضور کا دل درد سے بھر گیا انہوں نے قوم کو جمع کیا اور فرمایا :-

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ

مِنْهَا زَوْجَهَا . . . . الخ

یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ ساری انسانیت ایک دوسرے کی ہمدردی کا استحقاق رکھتی ہے۔ یہ تلقین سن کر مسلمانوں نے دشمن

قوم کے لئے غلے کا ڈھیر اور ملبوسات کا انبار لگا دیا۔ حضور کی نگاہ میں غیر مسلم خدا کی مخلوق اور اس کے مربوب تھے۔ خدا کو رب العالمین یقین کرنا متقاضی تھا کہ ان کی تکلیف کو دور کیا جاتا ایسے موقعہ پر حضور نے فرمایا :—

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَاءَ

اور فرمایا :—

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ

حضور ﷺ رب العالمین کے رسول تھے جو فی الحقیقت رحمۃ للعالمین تھے۔ ان وسیع ترین نظریات کے مطابق حضور کا عمل بھی بے پایاں لطف و کرم کا نمونہ تھا۔ وہ شخص ظلم کرتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ حضور کے نظرئیے تو عالم گیر تھے لیکن حضور کا عمل مختص القوم تھا۔ یہ حقائق و شواھد ایسے گستاخ شخص کی تکذیب کرتے ھیں

کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ

ایک اور موقع پر بھی حضور ﷺ نے یہی آیت کریمہ پڑھی جب قحط زدہ مصری حضور ﷺ کی خدمت میں مالی امداد کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ یہ قبطی عیسائی تھے۔ حضور کی نگاہ میں یہودی اور عیسائی اور گبر سب مخلوق خدا تھے سب کے لئے حضور کے دل میں

جذبہ ہمدردی موجزن تھا ۔ چنانچہ ان مصری قبطیوں کی مصیبت دور کرنے کے لئے قوم کو جمع ہونے کا حکم دیا اور ان کے سامنے آیت کریمہ

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی ... الخ

تلاوت فرمائی اور ان کو خیرات کرنے کا حکم دیا ۔ چنانچہ مصری وفد مسلمانوں کی خیرات سے مالا مال ہوگیا ۔ قبیلہ مضر تو مشرک تھے ۔ لیکن مصری عیسائی تھے دونوں کے لئے حضور کی ہمدردی ظہور پذیر ہوئی اور ان کے عمل سے ثابت ہوتا تھا کہ ان کو خدا کے کلام پر پورا پورا ایمان ہے اور

اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَّاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ

کے اعلان کے موافق ان کا عمل بھی ہے وہ رب العالمین کی طرف سے رسول تھے تو ان کی ہمدردی بھی بے پایاں و بے کنار تھی وہ جو حضور کے متعلق کہتا ہے کہ ان کے نظرئیے تو عالم گیر تھے لیکن ان کے اعمال ان کے ماحول کی حدود سے تجاوز نہ کرتے تھے وہ سخت غلطی خوردہ ہے ۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو ۔ یہ حدیث ذیل کی آیت کریمہ پر عمل ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :—

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ

اس آیت کے نازل ہونے پر حضور نے اپنے قبیلہ کے افراد کو جمع ہونے کا حکم دیا ۔ پھر ان کو مخاطب کر کے فرمایا :۔

یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

یَا عَبَّاسُ عَمُّ الرَّسُوْلِ لَا اُغْنِیْ عَنْکَ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

یَا صَفِیَّۃُ عَمَۃُ الرَّسُوْلِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

یَا فَاطِمَۃُ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

مندرجہ بالا آیت نے اور حضور کے کلام نے دنیا پر یہ حقیقت ظاہر کی کہ رشتہ داری خدا کے حضور کام نہیں آ سکتی اس کے حضور خدا خوفی اور نیک عملی کام آ سکتی ہے ۔ کسی پیغمبر کے رشتہ دار اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ پیغمبر کی رشتہ داری ان کی بد اعتقادی اور ان کی بد اعمالی کی سزا کو ٹال سکے گی اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ نے

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَمَا کَسَبَ

کی سورۃ نازل فرمائی کہ ابو لہب حضور نبی کریم ﷺ کے چچا تھے۔

لیکن ان کی رشتہ داری ان کی بداعتقادی اور بداعمالی کا مداوا نہ ہو سکی۔ اس نظریئے کی تائید ایک دوسری آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ فرمایا :—

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِيْنَ

حضرت ابراہیم نے التماس کی کہ کیا میری اولاد کو بھی اس برکت سے حصہ ملیگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے ہاں ابراہیم کی اولاد سے ہونا برکت پانے کا اصول نہیں ہے۔ جو لوگ بدکردار ہوں گے وہ ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے انعامات الٰہیہ کے وارث نہ بن سکینگے جن لوگوں کے اعمال حضرت ابراہیم کے منہاج پر ہوں گے وہی خدا کے مقرب ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا :—

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

وہ لوگ جو طریق ابراہیم پر گامزن ہیں وہ مقاصد عالیہ کو ضرور پا لینگے اسی مضمون کا ایک اور اعلان زبان نبوی ﷺ پر جاری ہوا ور وہ یہ ہے :—

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا حَيْثُ كَانُوْا

میرا قریبی وہ ہے جو خدا خوف اور نیک عمل ہو۔ وہ کسی قوم کا ہو

اور کسی وطن کا ہو۔ غرضکہ آیت کریمہ

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

کی روشنی میں جو ارشادات اور جو اعلانات حضور کی زبان پر جاری ہوئے وہ اس قابل ہیں کہ ان کو سر آنکھوں پر رکھا جائے نہ کہ مسلمان کہلا کر ان کو رد کر دیا جائے۔ ایک اور حدیث ملاحظہ ہو جو ذیل کی آیت کی توضیح و تفسیر ہے۔ فرمایا :۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

اس کی روشنی میں حضور نے فرمایا :۔

اِنَّ النَّبِىَّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَّ بُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً

یعنی پیغمبر اپنی اپنی قوم کی رہنمائی کے لئے مبعوث ہوا کرتے تھے جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور تمام دوسرے پیغمبر صرف نبی اسرائیل کیلئے معبوث کئے گئے تھے۔ لیکن میری بعثت تمام انسانیت کیلئے ہے۔ حضرت عیسیٰ

رَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ

ہیں ان کا دائرہ عمل محدود ہے۔ وہ اس دائرہ عمل سے باہر جا کر تبلیغ

کرنے کے مجاز نہیں ہیں ۔ اور اگر کوئی پیغمبر اپنے دائرہ عمل سے باہر جا کر تبلیغ کرنا چاہے تو اس کا ایسا کرنا خدا کے مقرر کردہ دائرہ عمل کی خلاف ورزی قرار دیجائیگی ۔ ہر ایک نبی اپنے اپنے دائرہ عمل میں کام کرنے کا پابند رہا اور وہ اس دائرے کی حدود سے تجاوز کرنے کا مجاز نہ تھا ۔ جس طرح ڈپٹی کمشنر اپنے ضلع کی حدود کے اندر احکام نافذ کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور دوسرے ضلع میں جا کر کسی قسم کا اختیار استعمال کرنے کا مجاز نہیں ہوتا بالکل اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا حال ہے پس حضرت عیسیٰ اپنے دائرہ عمل سے باہر قدم رکھنے کے مجاز نہیں ہیں ۔ ان کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے آئیں گے درست نہیں ہے ۔ بلکہ قرآن کریم کے صریح خلاف ہے ۔ حضور نبی کریم کا ارشاد ہے کہ مجھ سے ماقبل رسول مختص القوم ہؤا کرتے تھے ۔ لیکن میں تمام اقوام عالم کیلئے رسول ہو کر آیا ہوں ۔ مذکورہ بالا آیات کی توضیح و تشریح اور حضور کے ارشادات جو آیات قرآنیہ کا ترجمہ ہیں ۔ نہایت احترام کے قابل ہیں ان کو رد نہیں کیا جا سکتا ۔

ایک اور آیت کریمہ اور اس کے متعلق واقعات ملاحظہ ہوں فرمایا :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

یعنی حضور نبی کریم ﷺ رسول ہی ہیں۔ اور رسول پر بھی موت آتی ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ سے پیشتر جتنے بھی رسول تھے۔ وہ وفات پا گئے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ وفات پا جائیں۔ یا ان کو قتل کر دیا جائے۔ تو کیا یہ ممکن ہے۔ کہ تم ان کا دین چھوڑ کر مرتد ہو جاؤ۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ کہ رسول اللہ کی وفات کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کے نظریات اور اصول دین تم ترک کر دو۔ آخرش وہ وقت آ ہی گیا۔ جب حضور ﷺ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مولیٰ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ عشاق رسول ﷺ کے لئے یہ ایک نہایت المناک حادثہ تھا۔ اکثر لوگوں کے لئے یہ واقعہ ہو شربا ثابت ہوا۔ اور عمرؓ ایسا جری القلب اور موحد انسان بھی یقین نہ کر سکا۔ کہ حضور ﷺ کی وفات واقع ہو چکی ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی کی زبان سے وفات کا لفظ سننا گوارا کر سکتا تھا۔ وہ تلوار سونت کر کھڑا ہے اور اعلان کر رہا ہے۔ کہ جو شخص یہ کہے گا۔ کہ رسول اللہ وفات پا گئے ہیں۔ اسکا سر تن سے جدا کر دونگا۔ اس اثناء میں حضرت ابوبکر آ پہنچے۔ انہوں نے اس نازک صورت حال کا جائزہ لیا اور وہ کچھ کر دکھایا۔ جو موحد مردان خدا کے سوا کسی کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ انہوں نے حضور کے چہرہ

مبارک سے کپڑا اٹھایا اور حضور کے منہ پر بوسہ دیا - اور لوگوں کو سنا کر کہا - خدا تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کریگا - اسکے بعد مجمع کو مخاطب کرکے آیت

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ

کی تلاوت کی اور اسکے بعد فرمایا -

اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ رَبَّ مُحَمَّدٍ فَاِنَّهُ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ

مجمع پر سکوت طاری تھا - انہوں نے نہایت سنجیدگی اور متانت سے حضرت ابوبکر کی تلقین پر غور کیا - اور اسکو صحیح تسلیم کیا - کہ تمام انبیاء وفات پا گئے ہوئے ہیں - اور حضور بھی انہی کی طرح وفات پا گئے ہیں - مدینہ کے گلی کوچہ میں

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

پڑھا جا رہا تھا - لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا - کہ گویا یہ آیت کریمہ آج ہی نازل ہوئی ہے - خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی یہ بات وضاحت سے روشن ہو گئی - کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماقبل تمام

انبیاء وفات پا چکے ھیں - ویسا ھی حضور جو انبیاء میں سے ھیں وفات
پا گئے ھیں - اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کسی گوشہ دل میں یہ
خیال موجود ھوتا - کہ حضرت عیسیٰ ابھی تک زندہ ھیں - تو وہ
کیسے چپ رہ سکتے تھے - اور کس کے روکے رک سکتے تھے - وہ ضرور
اپنی بات پر اصرار کرتے اور حضرت عیسیٰ کا آسمان پر زندہ رھنا اور ان
کا دوبارہ آنا پیش کرتے - لیکن ان کو عرفان تام ھو گیا - اور اطمینان
و تسلی کے حاصل ھونے کے بعد وہ خاموش ھوگئے - اس طرح سے اس مجمع
نے حضرت ابوبکر کے ساتھ اتفاق کیا - اور اس مجمع کا اسبات پر اجماع
ھؤا - کہ حضرت عیسیٰ وفات پا چکے ھوئے ھیں - یہ دردناک واقعہ
مسلمانوں کے دلوں پر

کَالنَّقْشِ فِی الْحَجَرِ

تھا اور اس واقعہ نے جو صورت حال پیدا کی وہ بھی کبھی فراموش
نہیں کی جا سکتی - جو کچھ حضرت ابوبکر ؓ تلقین فرمائی - اسکو کون
بھول سکتا ھے - منکرین حدیث کس طرح سے اس قسم کے حقائق و شواھد
کا انکار کرنے کی جرأت کرتے ھیں -

ایک اور حدیث اور وہ آیت جسکی روشنی میں وہ حدیث بیان کی
گئی ھے ملاحظہ ھو -

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ يَهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ

ھماری مخلوق میں وہ لوگ بھی موجود ھیں جو خود حق پر ھیں اور لوگوں کی راھنمائی کرکے ان کو حق کی طرف بلاتے ھیں ۔ اور ان حقائق کو مد نظر رکھ کر عدل و انصاف کرتے ھیں خدا تعالیٰ جو رب العالمین ھے اور جو فطرت انسانی کا خالق ھے ۔ اعلان فرماتا ھے ۔ کہ دنیا کی تمام قوموں میں ایسے لوگ بھی ھوتے ھیں جو حق پرست ھوتے ھیں ۔ اور ان کے معاملات میں عدل و انصاف کارفرما ھوتا ھے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ھے ۔ ان کی نیکی ضائع نہ کی جائے گی ۔ چنانچہ اعلان فرمایا :۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ

یہ وہ آیات ھیں جو قرآن کریم کو ماڈرن کتاب کہلانے کا مستحق قرار دیتی ھیں ۔ ان آیات کے پیش نظر حضور نے حکیم بن حزام کے اسلام قبول کرنے پر فرمایا :۔

اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ

تیری پہلی نیکیاں ضائع نہیں ھوئیں ۔ بلکہ وہ بار آور ثابت ھوئیں ۔ چنانچہ ان نیکیوں کی وجہ سے ھی آپ کو اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی ۔ اور انہیں آیات کے پیش نظر فرمایا :۔

خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّةِ خَیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقَھُوْا

اور یہ بھی فرمایا ۔ انسان معادن کی طرح ھیں ۔ ان میں وہ بھی ھیں جو سونے کی طرح ھیں ۔ اور وہ بھی جو دوسری دھاتوں کی طرح ۔ ان غیر اقوام کے سونے کے بنے ھوئے انسان جب اسلام قبول کرتے ھیں ۔ تو اسلام ان کیلئے سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ھے ۔ ان چمکتی ھوئی احادیث پر دھول ڈالنے کی بے سود کوشش کرنےوالے کو ناکامی کے سوا کیا حاصل ھوگا ۔

ایک اور حدیث اور اس کی ماخذ آیت کریمہ ملا حظه ھو فرمایا :۔

یَآ یُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍوَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

بنی آدم ایک کنبه ھے ۔ اسلئے مختلف نسلوں کے انسانوں کو ایک دوسرے پر فوقیت جتانا غیر معقول بھی ھے اور ضرر رساں بھی ۔ بیشک رنگ و بو مختلف ۔ زبانیں مختلف اور لحان مختلف ھیں ۔

لیکن انسانیت ایک ہے - جو قوم اور جو افراد انسانیت میں بڑھے ہوئے ہوں - وہی سب سے معزز ہونگے - حضور نبی کریم ﷺ نے بھی متعدد بار فرمایا - تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہیں جو سب سے زیادہ متقی ہیں -

قِیْلَ مَنْ اَکْرَمُھُمْ یَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اَتْقَاھُمْ اَکْرَمُھُمْ

منکرین حدیث کس کس روشن حدیث کا انکار کریں گے - ان حدیثوں میں قران کریم کی آیات کا ترجمہ کر کے ابدی و دائمی حقائق کا اظہار کیا گیا ہے - اسی آیۃ کریمہ کی روشنی میں حضور نے ایک نہایت ہی قیمتی اور دائمی حدیث بیان فرمائی اور وہ یہ ہے:—

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا فَضْلَ لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی فَاِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاکُمْ

یعنی کسی عربی کو کسی غیر عربی پر کسی طرح کی فضیلت حاصل نہیں ہے - اور نہ ہی کسی کالے رنگ کے انسان کو کسی سفید رنگ انسان پر کوئی فضیلت حاصل ہے اور اسی طرح سے کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے - اور نہ ہی کسی سفید رنگ کے انسان کو کسی کالے رنگ کے انسان پر کوئی فضیلت حاصل ہے ہاں

کوئی فضیلت حاصل ھوسکتی ھے تو وہ تقوے کے ذریعہ سے ھوسکتی ھے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللہِ اَتْقَاکُمْ

یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے سپرد ذیل کے کام کئے ھیں ۔ اول قران کریم کا پڑھکر سنانا ۔ دوم قرآن کریم کے احکامات کی تعلیم دینا اور تیسرے احکامات الٰھیہ کی حکمت اور ان کی لم بیان کرنا ۔ وہ پیغمبر جو احکام الٰھیہ کی تعمیل میں پیش پیش ھے ۔ اور مستعدی کے ساتھ سرگرم عمل رھتا ھے ۔ انھوں نے اس آیت کے منطوق پر عمل درآمد کر کے دکھایا ۔ وہ خود نہایت خوبصورت قرآن پڑھتے تھے ۔ اور اپنے متبعین کو

زَیِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ

کی تلقین فرماتے تھے ۔ اس سے حضور کے متبعین میں کثرت سے قاری پیدا ھوگئے ۔ اور بعض کی تلاوت قرآن تو قابل رشک تھی ۔ چنانچہ حضور نے ابو موسیٰ اشعری کی قرآن خوانی پر فرمایا ۔

اُوْتِیْتَ مِزْمَاراً مِنْ مَّزَامِیْرِ اٰلِ دَاوُدَ

یعنی آپ کو لحن داؤدی عطا ھوا ھے ۔ اور فرمایا کل رات آپ

کی قرأت سنی اس کے سننے سے ہم پر وجد طاری ہوگیا ۔
غرض حضور نے

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِه

پر عمل کر کے دکھایا ۔ رہا دوسرا حصہ

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

یہ قرآن کا پڑھکر سنانا نہیں ۔ بلکہ قرآن کریم کے مطالب و معارف بیان کرنا ہے یہ معنی و معارف تئیس سال کے عرصہ میں بیان کئے گئے تھے ۔ اس صورت حال کا ذکر خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے ۔ فرمایا:-

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَأَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ○

یعنی قرآن کریم کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا ہے تا کہ آپ یہ قرآن لوگوں کو وقفہ سے پڑھکر سنائیں ۔ اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے ۔ قرآن کریم کو تئیس ۲۳ سال کے عرصہ پر پھیلا کر تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنے میں یہ حکمت تھی کہ قرآن کریم کو اچھی طرح سے سمجھ لیا جائے اور اس کے ہر حصے پر عمل درآمد کیا جا سکے ۔ اور اس کے مطالب و مقاصد

سینوں پر اسی طرح سے نقش ہو جائیں۔ جسطرح قرآن کریم کے الفاظ ان کے حافظوں میں بیٹھ گئے ہیں۔ تیئس سال میں قرآن کریم کے تیس پارے جن میں چھوٹی بڑی ایک سو چودہ سورتیں ہیں نازل ہوئے۔ یعنی اوسطاً ایک سال میں ایک پارہ اور پانچ رکوع۔ ایک پارہ اور پانچ رکوع پچیس صفحات سے زیادہ نہیں بنتے۔ اور اتنی مقدار پچیس دن میں نہایت عمدگی سے از بر یاد ہو سکتی ہے۔ اور بارہ مہینے اس کو دوہرایا جا سکتا ہے۔ اور اسکے مضامین اور مضامین کی توضیح وتشریح اچھی طرح سے ذہن نشین ہوسکتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کو اور صحابہ کرام کو قران کریم سے عشق تھا۔ حضور فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ

اے میرے مولٰی میری دعا ہے کہ قرآن کو میرے دل کی بہار بنا دے۔ یہ عشاق کی جماعت یقیناً قرآن کے مطالب کو اور آنحضرت کی بیان کردہ تفسیر کو اپنے سینوں کی لوح پر نہ مٹنے والی سیاھی سے لکھ لیتے تھے اور وہ جس مجلس میں بیٹھتے یا جس بستی میں جاتے تھے قرآن کریم کے وھی مطالب بیان کرتے تھے جو انہوں نے آنحضرت کی زبان مبارک سے سنے تھے۔ حضور نے جب مصعب بن عمیرؓ کو تعلیم وتبلیغ کے لئے مدینہ میں بھیجا تھا۔ تو مدینہ کے لوگ

پروانہ وار ان کے گرد جمع رہتے اور حضور نبی کریم کے خصائل و شمائل کی تفصیلات دریافت کرتے تھے اور استفسار کرتے تھے کہ حضور کا نصب العین کیا ہے - اور اُن کے دلوں میں قرآن کریم کی آیات کی وہ تفسیر جاننے کی خواهش اور تڑپ تھی جو مصعب بن عمیرؓ نے حضور کی صحبت میں بیٹھ کر سیکھی تھی - مصعب بن عمیر کی طرح هزار ها صحابہ نے قرآن کریم کے مطالب و مقاصد کی تفسیر حضور علیہ الصلواۃ والسلام سے سنی تھی - وہ حضور کی تفسیر اور حضور کے بیان کردہ مطالب کی تبلیغ و اشاعت کرتے تھے اور اس طرح قرآن کریم اور قرآن کریم کی تفسیر مسلمانوں میں مضبوطی کے ساتھ مشتہر ہوگئی تھی - امام ابن جریر اور امام ابن کثیر نے اپنی تفاسیر میں ان مطالب و معانی کو جمع کر دیا ہے جو صحابہ نے حضور سے سیکھے اور بیان کئے - امت مرحومہ ان آئمہ دین کی مرهون منت ہے کہ انہوں نے همارے پیارے رسول کے کلمات طیبات فراہم کرکے کتابی صورت میں محفوظ کر دئیے - تاکہ هم ان سے مستفیض هوں - اللہ تعالیٰ اپنی برکات ان پر نازل فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے - افسوس ہے - منکرین حدیث نے صاحب قرآن جو معلم قرآن بھی هیں - ان کی بیان کردہ تفسیر کو رد کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے - گویا وہ دنیا کو یہ منوانا چاهتے هیں کہ تئیس سال میں نہ تو حضور ﷺ نے قرآن کریم کے مطالب و مقاصد بیان فرمائے اور نہ غیر معمولی طور پر

مضبوط حافظے کے عشاق نے مطالب قرآن کو یاد رکھا - بھلا ان کی اس غیر معقول بات پر کون کان دھرے گا - ضرور ہے کہ یہ لوگ نا کامی و نامرادی کا منہ دیکھیں -

سینوں سے نہ مٹنے والے اور حافظوں سے فراموش نہ ہونیوالے واقعات

حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی انقلاب آفریں ہے - یہ انقلابات مختلف الانواع و مختلف الاقسام ہیں - اس لئے حضور کی زندگی کے واقعات و حادثات و سوانح ایسے ہیں کہ ان کی یاد مٹائے نہیں مٹ سکتی - مثلاً

ہجرت - اہل مکہ کے دلوں میں دشمنی نے ہیجان پیدا کر رکھا تھا - اس لئے وہ طرح طرح کے مظالم حضور ﷺ اور حضور کے متبعین پر توڑتے تھے - جن کو مسلمان بارہ سال تک برداشت کرتے رہے - آخرش ان ظالموں نے مسلمانوں کو اور آنحضرت ﷺ کو ترک وطن پر مجبور کر دیا - کیا اس درد انگیز سانحہ کو کبھی مسلمان بھول سکتے ہیں ؟

ان حقائق سے متعلق روایات اپنے اندر ثقاہت رکھتی ہیں - ان کو رد کر دینا نہایت ضرر رساں ہے - ان کو رد کر دینے کی تجویز قلت تدبر کا نتیجہ ہے -

واقعہ ہجرت سے متعلق چند چیدہ واقعات — بیعت عقبہ ' غار ثور میں پناہ لینا اور سراقہ بن جعشم کا تعاقب کرنا ہے ان واقعات پر جرح و قدح کرنا نہایت بے جا اور بے سود ہے ۔

بیعت عقبہ

کعب بن مالک کہتے ہیں کہ جب ہم مکہ کو حج کے لئے آئے تو ایک مقررہ رات کو تہائی شب گزرنے کے بعد ہم اپنے ڈیروں سے نکل کر عقبہ کی گھاٹی میں جمع ہوئے اور ہم اس وقت تہتر آدمی تھے ۔ ہم اس گھاٹی میں اکٹھے ہو کر حضرت نبی کریم ﷺ کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں حضور حضرت عباسؓ کے ساتھ تشریف لائے ۔ عباس اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر وہ ہر طرح حضور کی امداد کرتے تھے۔ عباس نے ہم کو مخاطب کرکے اس طرح سے گفتگو شروع کی :—

يَا مَعْشَرَ الْخَزْرَجِ . . . . اَنَّ مُحَمَّداً مِنَّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتُمْ قَدْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَوْمِنَا مِمَّنْ هُوَ عَلٰى مِثْلِ رَاْيِنَا فَهُوَ فِىْ عِزٍّ مِنْ قَوْمِهٖ وَ مَنْعَةٍ فِىْ بَلَدِهٖ وَقَدْ اَبٰى اِلَّا الْاِنْحِيَازُ اِلَيْكُمْ وَاللُّحُوْقُ بِكُمْ فَاِنْ

كُنتُمْ تَرَوْنَ اَنَّكُمْ وَافُوْنَ لَهُ بِمَا دَعَوْتُمُوْهُ اِلَيْهِ

وَمَانِعُوْهُ مِمَّنْ خَالَفَهُ فَاَنْتُمْ وَمَا تَحَمَّلْتُمْ

مِنْ ذَالِكَ وَاِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ اَنَّكُمْ مُسْلِمُوْهُ وَ

خَاذِلُوْهُ بَعْدَ الْخُرُوْجِ بِهِ اِلَيْكُمْ فَمِنَ الْاٰنَ تَدَعُوْهُ

فَاِنَّهُ فِیْ عِزٍّ وَمَنْعَةٍ مِنْ قَوْمِهِ وَبَلَدِهِ

ترجمہ - اے قوم خزرج تم اس بات کو خوب جانتے ہو کہ محمد ہمارے اندر جو وقعت اور عزت رکھتے ہیں اور ہم اُن کے مخالفین سے اُن کے محافظ اور اُن کے بچانے والے ہیں مگر اُن کا خود یہ ارادہ ہے کہ اس شہر کو چھوڑ کر تمہارے شہر میں چلے جائیں اور تم سے جا ملیں - پس اگر تم اس بات کو دیکھتے ہو کہ تم جس بات کی طرف اُن کو بلاتے ہو اُس کو پورا کر سکو گے اور اُن کے دشمنوں سے ان کو محفوظ رکھو گے تو تم اس کام کو کرو - اور اگر تم سے یہ بات نہ ہو سکے تو بہتر ہے کہ اسی وقت جواب دے دو کیونکہ محمد اس وقت تو ہماری حفاظت میں ہیں -

عباس کی اس تقریر کے بعد انصار کے عرض کرنے پر حضور نے

انہیں قرآن شریف پڑھ کر سنایا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت دلائی۔

بعد ازاں فرمایا :—

أُبَايِعُكُمْ عَلَىٰ أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ نِسَاءَكُمْ وَأَبْنَاءَكُمْ

یعنی یہ کہ میں تم سے اس بات کی بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ایسی حمایت کرو جیسے کہ تم اپنی عورتوں اور اپنی اولاد کی حمایت کرتے ہو۔

یہ سنتے ہی اُن میں سے ایک سردار نے جس کا نام البراء بن معرور تھا حضور کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا :—

نَعَمْ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَنَمْنَعَنَّكَ مِمَّا نَمْنَعُ أُزُرَنَا وَأَنْفُسَنَا

ہاں بے شک قسم ہے اُس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو بھیجا ہے۔ ہم آپ کی ایسی ہی حمایت اور حفاظت کریں گے جیسی کہ اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا :—

أُصَالِحُ مَنْ صَالَحْتُمْ وَأُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ

یعنی میں بھی اس شخص سے صلح رکھونگا جس سے تم صلح رکھوگے اور اس شخص کے ساتھ جنگ کرونگا جس سے تم جنگ کروگے۔

غار ثور

غار ثور میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت ابوبکر صدیق نے پناہ لی جس کا ذکر خود قرآن کریم نے کیا ہے - فرمایا :-

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

بے بسی اور بے نوائی کا یہ عالم ہے کہ سرور کائنات تن تنہا بھاگتے ہیں اور صرف ایک جان نثار ساتھی کو اپنے ساتھ لیتے ہیں - دشمن کے انبوہ کثیر کے مقابل پر صرف دو شخص ہیں - اس فوج کا ایک افسر ہے اور ایک سپاہی دنیا میں کوئی بستی، کوئی قبیلہ نہیں جو ان کو پناہ دے - سنسان ویرانے میں ایک غار کے اندر پناہگزین ہوتے ہیں - وہاں پر کھوجی جا پہنچتے ہیں - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ہوشربا منظر کو یوں بیان فرماتے ہیں :-

کُنَّا فِی الْغَارِ وَعَدُوُّنَا عَلٰی رُؤُسِنَا لَوْ نَظَرَ اَحَدُهُمْ تَحْتَ قَدَمَیْهِ لَاَبْصَرَنَا

اس پر حضور نے فرمایا :-

مَاظَنُّكَ یَا اَبَا بَکْرٍ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا - لَا تَحْزَنْ

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

منکرین حدیث اس حدیث کا انکار کیسے کریں گے - جس کے ایک حصہ کو خود قرآن نے بیان کیا ہے - یہ ایسا واقعہ ہے جو حضور ﷺ کے ایمان اور ثبات قلب کا پتہ دیتا ہے - حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غم کھائے جا رہا ہے کہ کسی طرح حضور کی جان بچ جائے - اور آقا ہے کہ مصائب کے تلاطم میں ایسا کھڑا ہے جیسے ساحل پر ایک بلند اور روشن مینار ہو جس کی روشنی دیکھ کر طوفان میں بہتے ہوئے انسان کی امید بندھ جاتی ہے -

ایسے مشکل حالات میں حضور کے نمونہ نے ساتھیوں کے ایمان کی آبیاری کی - اور نمونہ کے بغیر کچھ بھی سیکھا نہیں جا سکتا

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

تین دن کے بعد غار ثور سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا - دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کر لینا مناسب سمجھا چنانچہ ایک ٹیلہ کے سایہ میں ڈیرہ ڈالا - حضرت ابوبکر نے زمین صاف کرکے اس پر اپنی چادر بچھائی اور حضور ﷺ کو آرام کرنے کے لئے عرض کیا - حضور آرام فرما رہے تھے - اور حضرت ابوبکر پہرہ پر کھڑے تھے - انہوں نے دور سے ایک ریوڑ آتا دیکھا - گڈریے کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس سے

دودھ خریدا - بکری والے سے کہا - اپنے ھاتھوں اور بکری کے دودھ کی جگہ کو خوب صاف کرو - اسکے بعد اپنے ھاتھ جھاڑ لو - دودھ دوھا گیا - اور اسکو ڈھانک کر رکھ دیا گیا - تاکہ حضور ﷺ جب آرام کر چکیں - تو اٹھ کر دودھ پی لیں - یہ رفاقت - یہ خدمت اور حضور کی نظافت پسند طبع کا یہ لحاظ یہ سب باتیں سبق آموز ھیں - منکرین حدیث ان سبق آموز حدیثوں کو رد کرکے کیا لیں گے -

تھوڑی دیر میں یہ قافلہ پھر چل پڑا - کچھ فاصلہ طے کیا تھا - کہ ایک اور حادثہ ھائلہ رونما ھؤا - کیا دیکھتے ھیں کہ ایک بدو برق رفتار عربی گھوڑے پر سرعت کے ساتھ اس قافلہ کی طرف بڑھا آرھا ھے - حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سوچا - کہ غار تو پھر بھی ایک اوٹ تھی اس کھلے میدان میں اس آفت سے بچ نکلنا محال ھوگا - حضور نے پھر حضرت ابوبکر کو تسلی دی - اتنے میں کیا ھوا کہ وہ سراقہ نامی بدو جب حضرت ﷺ کے قریب پہنچتا ھے - تو اسکے گھوڑے کے پاؤں ریت میں دھنس جاتے ھیں - اور وہ خود گھوڑے سے نیچے گر پڑتا ھے حضور ﷺ نہایت مستعدی سے اس پر قابو پا لیتے ھیں حضور کی گرفت اسقدر مضبوط اور سخت تھی کہ سراقہ خوف کے مارے معافی مانگنے پر مجبور ھو گیا - حضور نے بھی بغیر دیر لگانے کے اسکو معافی دے دی - اس خلق عظیم کا اثر اس پر ایسا ھؤا - کہ وہ مسلمان ھو گیا - اور اس نے کہا کہ میں یہیں پڑا رھونگا اور کسی شخص

کو آپ کے پیچھے نہ آنے دونگا ۔ یہ ایک عظیم الشان خلق عظیم کا مظاہرہ ہے اور یہ ایک عظیم الشان معجزہ ہے ۔ جو وقوع میں آیا :۔

کَانَ سُرَاقَةُ ابْنُ جَعْشَمَ اَوَّلَ النَّهَارِ جَاهِداً
عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ وَکَانَ آخِرَ النَّهَارِ مَسْلَحَةً لَهُ

وہ سراقہ جو ابتدائے دن میں حضور ﷺ کے قتل کے لئے کو شاں تھا ۔ دن کے آخری حصہ میں حضور کی حفاظت کے لئے ان کا باڈی گارڈ بن گیا ۔ اے منکر حدیث تیرا کالا علم حضور ﷺ کا روشن نام مٹانے کے لئے وقف ہے ۔ خدا کرے سراقہ کی طرح تمہیں بھی چشم بصیرت عطا ہو ۔ اور تم بھی حضور ﷺ کی شان کی حفاظت و مدافعت کے لئے کمر بستہ ہو جاؤ ۔

ایسے واقعات ایک نہیں دو نہیں بلکہ ان کی تعداد بہت ہے ۔ اور اس تعداد کے لحاظ سے حضور کے ارشادات کی قدرو منزلت بھی بہت بڑھتی ہے ۔ وہ واقعات قرآن و حدیث دونوں میں مذکور ہیں ۔ جو لوگ محب خدا اور محب رسول ہیں اگر وہ مزاولت سے قرآن کریم کو پڑھیں اور احادیث بھی مزاولت سے پڑھیں تو ان کے سامنے وہ احادیث بھی آ جائینگی ۔ جو آیات قرآنیہ کا ترجمہ و تفسیر ہیں ۔ اور وہ اہم واقعات بھی سامنے آئینگے ۔ جو کالنقش فی الحجر کی طرح صحابہ

کرام کے سینوں پر کندہ ہو چکے تھے ۔ ان کی روایت کو اسناد کا محتاج قرار دینا فاش غلطی ہے اور جرح و قدح سے ان کو مجروح کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے ۔

مندرجہ بالا واقعات کے علاوہ اس جگہ چند واقعات درج کر دئے جاتے ہیں ۔ مثلاً مسجد قبا کی تعمیر ۔ پھر مسجد نبوی کی تعمیر ۔ جنگ بدر ۔ جنگ احد ۔ صلح حدیبیہ ۔ جنگ احزاب ۔ فتح مکہ ۔ جنگ حنین جنگ خیبر ۔ جنگ تبوک ۔ جنگ یرموک ۔ خندق کا کھودنا ۔ عام الحزن عام الوفود ۔ بادشاہوں کے نام خطوط لکھنا ۔ حجۃ الوداع ۔ فتح ایران ۔ فتح شام ۔ فتح مصر ۔ حضرت کا وصال ۔ حضرت نبی کریم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ۔ شاہ حبشہ کا قبول اسلام ۔ ان کے ساتھ جعفر رضی اللہ عنہ کا مکالمہ ۔ ابوسفیان کا مکالمہ شاہ شام کے ساتھ ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ۔ مصائب میں حضور کی تلقین بادشاہت میں حضور کا طرز زندگی ۔ دوستوں کا اکرام کرنا ۔ اور ان سے پوری وفا کرنا ۔ عورتوں اور بچوں کا اکرام کرنا ۔ اور غربا پر رحم کرنا ۔ ان تمام واقعات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وابستہ ہیں ۔ جہاد کرنے کے احکام ۔ حکومت کرنے سے متعلق احکام اور یہ ارشادات بیش بہا خزانہ ہیں ۔ امت مرحومہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان فیوض و برکات سے محروم کرنیکی سعی کرنا نہایت ناپاک و مذموم

منصوبہ ہے ۔ ان واقعات میں سے دو ایک کی تفصیل درج کی جائیگی اور بعض کے متعلق دو ایک سطریں لکھ دینے پر اکتفا کیا جائےگا ۔

مقوقش شاہ مصر کے نام خط

جب حضور ﷺ نے غیر ممالک کے سلاطین کے نام تبلیغی خطوط ارسال کرنا تجویز کیا تو اس کا قوم میں چرچا ھوا ۔ اور اس تجویز کے متعلق مشورہ طلب کیا گیا ۔ مشورے میں یہ پسند کیا گیا ۔ کہ سلاطین کے مراسلات پر مہر ثبت کرنی چاهئے ۔ چنانچہ ایک مہر کندہ کروائی گئی ۔ حضور ﷺ نے هدایت فرمائی ۔ کہ سب سے نچلی سطر میں لفظ محمد لکھا جائے۔ اس کے اوپر دوسری سطر میں لفظ رسول لکھا جاوے اور سب سے اوپر کی سطر میں لفظ اللہ لکھا جاوے ۔

جب سلاطین ایران و شاہ مصر کے نام خطوط لکھے گئے تو ان کے اختتام پر یہ مہر ثبت کی گئی ان خطوط میں سے وہ خط جو شاہ مصر کے نام لکھا گیا تھا ۔ وہ اس وقت تک موجود و محفوظ ھے ۔ اس کی فوٹو کئی جرائد میں کئی سال سے شائع ھو رھی ھے ووکنگ مسلم مشن نے بھی اس فوٹو کو مکرر شائع کیا ھے ۔ وہ خط جس کا اب انکشاف ھوا ھے ۔ حرف بحرف وھی خط بخاری اور زرقانی شریف میں درج ھے اور اس پر وہ تین سطر کی مہر ثبت ھے جس کا ذکر بخاری اور زرقانی نے کیا ھے اس خط کے انکشاف نے ثابت کردیا ھے کہ حضور نبی کریم ﷺ

کے صحابہ روایت کرنے میں کس قدر محتاط تھے اور آنکی ایمانداری اور ان کا بے نظیر مضبوط حافظہ دونوں مل کر چھوٹی چھوٹی تفصیلات کو کس صحت کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ اس ضمن میں حضرت علی کا قول صحابہ کرام کے تقویٰ کا پتہ دیتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :-

اِذَا حَدَّثْتُکُمْ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَآءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکْذِبَ عَلَیْہِ

اور حضور نے فرمایا :-

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

غرض صحابہ کرام حضور کی احادیث بیان کرنے میں نہایت محتاط تھے اور مصر کا خط ان کی اس صفت پر اور احادیث کی ثقاہت دونوں پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

نقل خط بنام مقوقش شاہ مصر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلَی الْمُقَوْقَسِ عَظِیْمِ الْقِبْطِ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ

بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ

مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ ـ يَا اَهْلَ

الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ

بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا

فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

اللّٰه
رسول
محمد

اس خط کے وہ الفاظ جو حدیث میں مروی ہیں ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اِلَى الْمُقَوْقَسِ عَظِيْمِ الْقِبْطِ

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ـ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ

اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ - فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْقِبْطِ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ

الله
رسول
محمد

اس خط کے آخر پر ایک نوٹ ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ اس خط کے آخر پر ایک مہر ثبت تھی جس کی تین سطریں ہیں۔ سب سے نچلی سطر میں محمد اور اس کے اوپر دوسری سطر میں رسول اور سب سے اوپر کی سطر میں اللہ۔ ان خطوط کا موازنہ حدیث کے روایت کرنے والوں کی امانت و دیانت و راستبازی اور تقویٰ کا اندازہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور حدیث کی حقانیت و ثقاہت کا یقین دلاتا ہے۔ تیرہ سو سال کے بعد ان کی روایت کو صحیح قرار دینے کے لئے مصر نے ناقابل تردید شہادت پیش کی ہے۔ یہ حضور نبی کریم ﷺ کی فیض صحبت کا اثر ہے کہ

انہوں نے ایک راست باز دیانت دار قوم پیدا کی - وہ قوم ہم کو ان لفظوں میں اطلاع دیتی ہے :-

بَا یَعْنَا رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عَلٰی اَنْ لَّا نَقُوْلَ اِلَّا الْحَقَّ اَیْنَمَا کُنَّا

اور ہر مقام پر ایسا ہی ثابت ہؤا - اس واقعہ کی تحقیق نے اس امر کو بھی متحقق کر دیا -

کسریٰ یعنی ایران کے نام بھی حضور نے تبلیغی خط ارسال کیا اور اسی طرح ہرقل یعنی شاہ شام کے نام بھی حضور نے تبلیغی خط بھیجا تھا - منکرین حدیث ان تبلیغی خطوط کا ذکر تک نہیں کرتے - دیانتداری کا اقتضاء یہ تھا کہ وہ حدیث پر تنقید کرنے کے لئے قلم اٹھاتے تو ان واقعات کو نظر انداز نہ کرتے - یورپ کے عیسائی مصنفوں نے بھی اس حد تک زیادتی نہیں کی جو ان کلمہ پڑھنے والوں سے سرزد ہوئی ہے -

حجۃ الوداع

حضرت نبی کریم کا آخری حج بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے - اس موقعہ پر حضور ﷺ نے جو وصیت فرمائی اس کو کون بھول سکتا ہے اور اس کی روایت کرنے میں کون ہے جس کی غرض یا کوئی خواہش دخیل کار ہو - اس میں قطعاً کوئی ایسا بے وفا اور ایسا

نا قابل اعتماد اور ایسا بے دین شخص نہ تھا جو حضور کی وصیت کے الفاظ میں ذرہ برابر تبدیلی کرتا۔ یہ اجتماع عامۃ الناس کے علاوہ نہایت بلند پایہ شخصیتوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے اس وصیت کے متعلق روایت نہایت ثقہ اور نہایت قابل اعتبار ہے۔ وصیت کے الفاظ یہ ہیں:۔

اِنَّ دِمَآءَكُمْ وَ اَمْوَالَكُمْ وَ اَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ بَيْنَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِىْ شَهْرِكُمْ هٰذَا فِىْ بَلَدِكُمْ هٰذَا لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِىْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ عُنُقَ بَعْضًا

آخر میں حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا:۔

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں۔ حضور ﷺ نے اس میں اپنی حدیث کو دوسروں تک پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ وصیت یا حدیث تمام دنیا کے مسلمانوں کو پہنچا دی گئی۔ منکرین حدیث اس واقعہ یا حدیث کو کس طرح رد کرنے کی جرأت کرتے ہیں؟ کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے نہایت ہی قیمتی

سبق ہے ؟ جب روایت و درایت دونوں کے ثقہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے تو اس کے رد کر دینے کا باعث کون سے وجوہ ہیں ؟

اس وصیت کے دوسروں تک پہنچانے کے لئے حضور ﷺ نے تلقین فرما کر اس بات کو صاف کر دیا کہ حضور ﷺ کے ارشادات و احادیث کی جس طرح فرمانبرداری فرض ہے اسی طرح حضور ﷺ کی احادیث کا دوسروں تک پہنچانا بھی فرض ہے - چنانچہ حضور ﷺ نے تئیس سال کے عرصہ میں جو اصول دین یا اس کی تفصیلات تلقین فرمائیں لوگوں نے اس کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا اور برابر ۲۳ سال تک ان ارشادات کا چرچا ہوتا رہا اور اسی لئے یہ دین قوم کے رگ و ریشہ میں داخل ہو گیا اور اسی لئے اس پر عمل درآمد ہؤا اور رائے عامہ معاملات دینیہ میں اس قدر سخت تھی کہ اگر کسی فرد کو ان ارشادات کے خلاف عمل کرتے دیکھا جاتا تو اس کو فوراً ٹوکا جاتا تھا اور یہ ٹوکنا اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک دین کے متعلق حضور کے ارشادات پوری طرح سے مسلمانوں کے دلوں میں گھر نہ کر چکے ہوں -

حدیث کو ضبط میں لانا

صحابہ کرام نے اچھی طرح سے اسباب کو سمجھ لیا تھا کہ

احادیث کا قرطاس پر لکھنا احتیاطاً منع کر دیا گیا ہے - ورنہ احادیث کا حافظہ میں محفوظ کر لینا اور احادیث کا بیان کرنا قطعاً ممنوع نہیں ہے بلکہ ان کی تبلیغ کا حکم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ احتیاط کا پہلو اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ خدا کے کلام اور رسول کے کلام کو لکھنے لکھانے میں مخلوط نہ کر دیا جائے۔ قرآن کریم کی کتابت کا کام چند صحابہ کرام کے سپرد تھا - اس لئے

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ سِوَی الْقُرْآنِ

کا حکم بھی خصوصیت سے انہی بزرگوں کے لئے تھا - ورنہ

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

کا حکم تو ضروری قرار دیتا ہے کہ حضور کے ارشادات کی پوری پوری اطاعت کی جائے اور اطاعت کے لئے ارشادات کا یاد رکھنا لازم و ملزوم کا حکم رکھتا ہے - ورنہ تئیس سال کے دوران میں تفسیر قرآن بیان کرنا اور رموز حکمت کی تشریح کرنا بے سود ٹھہرتا ہے - لوگوں کے تنازعات کے بارے میں فیصلہ جات صادر کرنا تمدن و معاشرت کے امور کے متعلق ھدایت دینا - جہاد کے متعلق ھدایت دینا دوران جنگ میں احکام جاری کرنا بے کار ثابت ھوتا ہے۔ دنیا کی ممتاز و محبوب ھستیوں کے متعلق فطرت انسانی تقاضا کرتی ہے کہ ان کی پیدائش سے لے کر ان کی وفات تک کے حالات کا علم حاصل

کیا جائے اور انکی عادات وصفات کا علم حاصل کیا جائے۔ رسول کریم ﷺ جو تمام انبیاء سے افضل اور شرف انسانیت ہیں اور جنہوں نے دنیا میں ہدایت کی شمع روشن کی اور ہزارہا انسانوں کو با خدا اور خدا پرست اور مخلوق خدا کا خادم بنا دیا کیا ان کے خصائل و شمائل اور ان کے ارشادات کو قوم نے محفوظ نہیں کیا ہوگا ؟ کیا کوئی عقل مند انسان منکرین حدیث کے اس خیال کو باور کر سکتا ہے کہ احادیث محفوظ نہیں رہیں ؟

اولی الامر کی اطاعت مشروط ہے

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ

اس آیت میں تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم صادر کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول اور حکام وقت کی۔ حقیقی فرمانبرداری اللہ اور اس کے رسول کی بیان کی گئی ہے۔ اس اطاعت میں کسی قسم کی شرط نہیں رکھی گئی۔ بلکہ اطاعت مطلق قرار دی گئی ہے۔ لیکن حکام وقت کی فرمانبرداری بلا شرط نہیں قرار دی گئی۔ ان کے ساتھ تنازع کرنا جائز ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ تنازع اس وقت جائز ہوگا جب اولی الامر کسی معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کریں گے۔ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنا قطعاً نا جائز قرار دیا گیا ہے۔ ان کے احکام کی پابندی بلا چون و چرا کی جائے گی۔ لیکن حکام کے احکام میں غلطی ہو سکتی ہے اور اس بنا پر ان سے اختلاف کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بعض اوقات ایسا کرنا نہایت ہی ضروری ہوگا۔ بلکہ ان کی اصلاح کرنی پڑے گی۔ جیسا کہ حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :—

اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہوں نے اپنی اطاعت کو اس بات سے مشروط کر دیا ۔ فرمایا :—

اَطِيْعُوْنِيْ مَا اَطَعْتُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ فَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِيْ ۔

کہ جب تک میں اللہ اور اسکے رسول کے احکام کی پابندی کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر میں ان کی اطاعت سے انحراف کروں تو تمہارا فرض ہے کہ تم مجھے سیدھا کر دو ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ اعلان قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کے مطابق ہے جس میں انہوں نے نہایت صفائی سے اور نہایت ایمانداری سے اپنے متعلق اعلان کیا کہ اگر قوم میرے معاملات میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے انحراف دیکھے تو میری اصلاح کر دے ۔ اس سے عیاں ہوتا ہے کہ خلیفہ یا بادشاہ وقت کی اطاعت مشروط ہے اور اسکی اطاعت کا وہ درجہ قطعاً نہیں ہے جو اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کو حاصل ہے ۔

وہ لوگ غلطی پر ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب

حکومت کو مرکز ملت کی حیثیت حاصل ہو جائے تو اس حکومت کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت کی حیثیت حاصل ہوگی - قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات کی روشنی میں اور حضرت ابوبکرؓ کے اعلان کی روشنی میں ان کا یہ اعتقاد باطل نظر آتا ہے بلکہ اس قسم کا اعتقاد نہایت ضرر رساں ہے - اس اعتقاد نے صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ہی غیر ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ خود خدا کی اطاعت کی بھی کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہنے دی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ الفاظ ''اگر حکومت کو مرکز ملت کی حیثیت حاصل ہو جائے'' نہ تو قرآن کریم کی کسی آیت کا ترجمہ ہیں اور نہ ہی کسی حدیث کا - یہ اختراع ہے جو رد کرنے کے قابل ہے -

وہ عظیم الشان ہستی جن کا نام نامی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہے مرکز ملت کی حیثیت رکھتا تھا تو اس شخصیت نے بھی صرف خدا اور رسول کے احکام کو اطاعت کا مستحق قرار دیا - اور اپنی اطاعت کو خدا اور رسول کی اطاعت کا رتبہ دینا ناجائز قرار دیا - اسی طرح سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خدا اور رسول کی اطاعت کو ہی مطلق قرار دیا اور اپنی حکومت کو جسے ان لوگوں کی اصطلاح میں مرکز ملت کی حیثیت حاصل تھی مطلق اطاعت کا حقدار قرار نہ دیا - برسر منبر مردوں

اور عورتوں نے انؓ پر اعتراض کئے اور ان کو جواب دینا پڑا کیونکہ وہ قوم کے سامنے جواب دہ تھے اور معترضین کو مستوجب سزا قرار نہ دیا گیا اگر ان کو خدا اور رسول کی اطاعت کی حیثیت حاصل ہوتی تو معترضین ضرور سزا یاب ہوتے ۔ لیکن کبھی ایسا نہ ہؤا ۔ کیونکہ ان خلفا کی اطاعت مشروط تھی اور ان کی اطاعت کو کبھی خدا اور رسول کی اطاعت کا رتبہ نہ دیا گیا ۔

جسطرح قرآن کریم کی نص صریح خلیفہ یا بادشاہ وقت کو خدا اور رسول کی اطاعت کی حیثیت نہیں دیتی اسی طرح حضور نبی کریم ﷺ کی ذیل کی احادیث جو عین منشائے خداوندی کے مطابق اور آیت مذکورہ بالا کی توضیح و تشریح ہیں بادشاہ کی اطاعت کو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا قرار نہیں دیتیں ۔ بلکہ بادشاہ یا خلیفہ کو قوم کے سامنے جواب دہ قرار دیتی ہیں ۔ اور قوم کا یہ فریضہ قرار دیتی ہیں کہ وہ ایسے خلیفہ یا بادشاہ کی اصلاح کرے جس کا رویہ خدا کی تعلیمات اور رسول کی تعلیمات کے خلاف نظر آتا ہو ۔

فرمایا :—

اِنَّهٗ يُسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ اُمَرَاءُ فَتَعْرِفُوْنَ وَتُنْكِرُوْنَ

فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ بَرِئَ وَمَنْ اَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلٰكِنْ مَنْ

رَضِیَ وَتَابَعَ فَھُوَ الْعَاصِیْ

یعنی تمہارے اوپر حاکم مقرر کئے جائیں گے اور ان حکام کے اعمال ایسے بھی ہونگے جنہیں تم صحیح سمجھو گے اور پسند کرو گے اور ان کے اعمال ایسے بھی ہونگے جنہیں تم ناجائز سمجھ کر ناپسند کرو گے۔ ان حالات میں وہ شخص جس نے ان کے ناجائز فعل پر ناراضگی کا اظہار کیا وہ معصیت سے بچ گیا اور وہ شخص جو حاکم کے ناواجب فعل پر راضی ہو گیا اور اس کے پیچھے چلنے لگ گیا وہ گنہگار ہو گیا۔ اسی نص صریح کو مد نظر رکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے قوم کو ان کے فریضہ کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی :—

فَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ

اگر میں ٹیڑھا چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ اس کے جواب میں قوم نے اپنی فرض شناسی کا ان الفاظ میں اظہار کیا تھا :—

اِنْ زِغْتَ لَقَوَّمْنَاكَ بِاَسِنَّةِ رِمَاحِنَا

اگر تو ٹیڑھا چلا تو تجھے اپنے نیزوں کی بھالوں سے سیدھا کر دکھائیں گے۔ یہ صحیح توازن ہے جو حضور ﷺ نے قائم کیا۔ کہ قوم اپنے حاکم کی خیر خواہ ہو، ایمانداری سے اس کی اطاعت کرتی ہو۔ لیکن جب وہ بگڑے تو اس کی اصلاح کرنا اپنا فریضہ یقین کرتی ہو

اور قوم کبھی اس امر کو جائز نہ قرار دے کہ جب کسی حکومت کو " مرکز ملت کی حیثیت حاصل ہو جائے " تو اس وقت قوم اس کی اطاعت کو اطاعت خدا اور اطاعت رسول کا مقام و رتبہ و حیثیت دیدے - یہ لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی سو تاویلیں کرکے اسے غیر ضروری قرار دیتے ہیں اور جو لوگ حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت کریں اور اس طرح سے حکم الٰہی کی بجا آوری کریں ان کو بت پرست کہتے ہیں - لیکن حضور کے ماسوا جو دنیا دار مرکز ملت قائم کرنے پر قادر ہو جائیں ان کی اطاعت کو خدا اور رسول کی اطاعت کا درجہ عطا کرتے ہیں - جو بالبداہت باطل ہے - اللہ تعالٰی نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور مومنین کو اجازت نہیں کہ ان احکامات کی یا ان کے فیصلہ جات کی سرمو خلاف ورزی کریں اور اگر وہ خلاف ورزی کے مرتکب ہونگے تو ان کے لئے سزائے جہنم ہے - لیکن بادشاہ وقت یا خلیفہ کی اطاعت کو ضروری قرار دیتے ہوئے اس کے ساتھ تنازع کرنے کی اجازت ہے بلکہ اس کی اصلاح کرنے کا حکم ہے - ذیل کی آیات اس سلسلہ میں قابل غور ہیں :-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ

اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً ○ (۳۶ : ۳۳)

ومن یعص اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم خالدین

فیہا ابداً ○ (۷۲ :۲۳)

فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک

فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی

انفسہم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما

(۴ : ۶۵)

ان نصوص قرآنیہ کے ہوتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ کا رتبہ گرانے کی تجاویز و منصوبے مستوجب ہلاکت و بربادی ہیں ۔ کیونکہ کسی مرکز ملت کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت کی حیثیت قرار دینا الحاد ہے ۔

حضور نبی کریم ﷺ نے حکام وقت کی فرمانبرداری کرنے پر زور دیا ہے اور امیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے ۔ لیکن جب حاکم وقت یا امیر یا خلیفہ احکام الٰہی سے انحراف کرے تو اس کے خلاف احتجاج کرنا بھی نہایت ہی ضروری قرار دیا ۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بعض اوقات حاکم وقت یا خلیفہ یا امیر اللہ و رسول کے احکام کی

خلاف ورزی پر آمادہ ہو جاتا ہے - اس صورت میں مسلمانوں کا فریضہ ہو جاتا ہے - کہ وہ امیر کے ایسے احکام کی جو اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہوں پابندی نہ کریں - حضور نبی کریم ﷺ کے عہد رسالت میں ایسے واقعات رونما ہوئے جن میں کسی امیر نے اللہ و رسول کے احکام کی خلاف ورزی کی اور حضور ﷺ کی تعلیمات کے زیر اثر مسلمانوں نے ایسی صورت حال میں امیر کے حکم کو رد کر دیا - یہاں پر چند ایک مثالیں بیان کرنا مفید ہوگا -

حضور ﷺ نے ایک دفعہ ایک شخص کو امیر مقرر کیا اور اس کو ایک دستہ فوج دے کر ایک مہم پر روانہ کیا - راستے میں اس امیر کو خیال آیا کہ اپنے ساتھیوں کی اطاعت شعاری کا امتحان لیا جائے - اس خیال سے اس نے آگ جلانے کا حکم دیا - جب آگ تیز ہو گئی تو ساتھیوں کو مخاطب کرکے کہا کہ امیر کی اطاعت کرنا واجب ہے - انہوں نے کہا بالکل درست ہے - اس پر امیر نے حکم دیا کہ اس آگ میں چھلانگ لگاؤ - انہوں نے اس حکم کو اسلامی تعلیم کے خلاف یقین کرتے ہوئے اس کی نا فرمانی کرنا ضروری سمجھا - کیونکہ قرآن شریف میں صاف لکھا ہے :-

وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ

یعنی جان بوجھ کر اپنے تئیں ھلاکت میں نہ ڈالو اور حضور نبی کریم ﷺ نے قوم کو سکھا رکھا تھا۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِيَّةِ الْخَالِقِ

یعنی کسی انسان کے ایسے حکم کی فرمانبرداری نہ کی جائے جس میں خالق کے احکام کی نا فرمانی پائی جائے اور فرمایا :—

اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَالَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَّةِ فَاِذَا اُمِرَ بِالْمَعْصِيَّةِ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

یعنی مسلمان پر اطاعت اس وقت تک واجب ھے جب اس کو خدا کی نا فرمانی کا حکم نہ دیا جائے۔ لیکن جب اس کو معصیت الٰہی کا حکم ملے تو اس پر ایسے حکم کی اطاعت واجب نہیں ھے۔ اس ضمن میں حضور کے اس ارشاد کا ذکر کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ھوگا :—

مَنْ اَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيْعُوْهُ اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ

جو شخص تمہیں معصیت کا حکم دے اس کی بات کو مت مانو کیونکہ اطاعت صرف نیکی میں ھے۔ ایک موقعہ پر خالد سیف اللہ نے حکم دیا کہ ھر ایک شخص جس کے پاس قیدی ھو وہ اپنے

قیدی کو قتل کردے۔ جب حضور ﷺ کی خدمت میں اس ہولناک حادثہ کی رپورٹ ہوئی تو حضور ﷺ فوراً بول اٹھے:—

هَلْ اَنكَرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ

یعنی کیا کسی نے اس پر احتجاج نہ کیا ؟ تو حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ ہاں عبد اللہ بن عمر نے خالد کے اس حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس واقعہ کی کیفیت یہ ہے :—

عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ۔ قَالَ فَلَمَّا كَانَ السَّحَرُ لَنَا دَى مُنَادِى خَالِدٍ مَنْ كَانَ مَعَهُ اَسِيْرًا فَلْيَقْتُلْهُ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ هَلْ اَنْكَرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ قَالَ نَعَمْ لَمَّا اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهُ فَقُلْتُ لَا وَاللهِ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِى وَلَا يَقْتُلُ اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِى اَسِيْرَهُ ○

یہ واقعات اور یہ شواہد مضبوط توازن کا نقشہ ہمارے سامنے لیے آتے ہیں جو حضور نبی کریم ﷺ نے امور سلطنت کی سرانجام دہی کے

لئے اپنے حکمت بھرے ارشادات سے قائم کر رکھا تھا ۔ یہ ارشادات ابدی و دائمی حقیقت کے حامل ہیں ۔ ان روشن اور معقول اور بیش قیمت ارشادات نبویہ کی خلاف ورزی پر تلے ہوئے تمنا صاحب اور اسلم صاحب اور پرویز صاحب کب کامیاب ہو سکتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں صدر ریاست یا امیر یا اسمبلی کے احکامات کی فرمانبرداری خدا اور رسول کے احکام کی فرمانبرداری ہوتی ہے اور ان کے احکام کی تعمیل بغیر چون و چرا ہوگی اور ان پر اعتراض کرنا ناجائز ہوگا ۔ یہ لوگ قرآن کریم کے احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ۔ ان کے دلوں میں احکام قرآن کی وقعت نہیں ہے ورنہ یہ جسارت اور قرآن دانی کا دعویٰ !

ان کی یہ راہ ہلاکت و بربادی کی راہ ہے ۔ وہ راہ جس پر خدا نے اور اس کے برگزیدہ رسول نے مسلمانوں کو چلایا ہے ۔ اس میں حکمت ہے اور معقولیت ہے ۔ وہ راہ منفعت بخش ہے ۔ وہ راہ بربادی کی طرف نہیں لے جاتی ورنہ حاکم وقت یا امیر یا صدر ریاست یا اسمبلی میں سے کوئی ایک بھی کبھی نہ کبھی غلط راستے پر گامزن ہو سکتا ہے ۔ اگر قوم اس کی اصلاح نہ کر سکے تو اس کا غلط رویہ ملت و سلطنت کو برباد کر سکتا ہے ۔ ایسے بے لگام اور متمرد اشخاص کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں قوم کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ہماری اطاعت خدا و رسول کی اطاعت ہے ۔

بنی مروان کے ایک خلیفہ کا ذکر ہے کہ دربار لگا کر کہنے لگے :—

لَا تُکْتَبُ عَنِّی سَیِّئَةٌ

ہم گناہ کریں بھی تو وہ ہمارے نامۂ اعمال میں نہیں لکھے جاتے۔ اس پر ایک درباری بول اٹھا اور اس نے پوچھا :—

اَلْاَنْبِیَاءُ اَفْضَلُ اَمِ الْخُلَفَاءُ

یعنی انبیاء افضل ہیں یا خلفاء۔ خلیفہ نے کہا۔ الانبیاء۔ اس پر اس شخص نے کہا کہ انبیاء کے لئے تو پرسش ہے چنانچہ اللہ تعالٰی نے داؤد علیہ السلام کو تنبیہ کی اور فرمایا :—

لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللهِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ

اس پر خلیفہ خاموش ہوگیا۔

اسی طرح سے خلیفہ ولید بن عبدالملک نے نماز کے وقت حکم دیا کہ آپ لوگوں پر خلیفہ کے حکم کی فرمانبرداری لازم ہے لہذا میں حکم دیتا ہوں کہ آج میری لونڈی امامت کرائیگی اور تم لوگ اس کی اقتدا میں نماز ادا کروگے۔ ایسی ایسی نا ہنجار حرکات صدر ریاست یا امیر

وغیرہ سے سرزد ہونے کے امکانات کے پیش نظر حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے کیسے بیش قیمت ارشادات فرمائے جن کی بنا پر سلطنت کے امور میں ہر طرح کی صلاحیت اور ہر طرح کی خوبی اور ہر طرح کی برکت ظہور میں آئی ۔ اس کے مقابل پر منکرین حدیث جو راہ تجویز کرتے ہیں وہ تعلیمات قرآنیہ کے صریح خلاف ہے اور وہ یقیناً بربادی و ہلاکت کی راہ ہے ۔ جو اسلام کی راہ ترک کرے گا ضرور ہے کہ وہ اپنے تئیں ہلاکت کے سپرد کرے ۔

اطاعت کے لفظ پر بحث

منکرین حدیث میں وہ بھی ہیں جنہوں نے یہ کہنے کی جسارت کی ہے کہ عربی میں اطاعت کا لفظ ان لوگوں کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے جو زندہ ہوں ۔ یہ انتہا درجے کی گستاخی اور انتہا درجے کی کم علمی اور کم فہمی کا مظاہرہ ہے ۔ حضور نبی کریم ﷺ کے احکامات میں پائیداری ہے ۔ ان کو زوال نہیں ہے ۔ ان کے قائم رہنے اور نفاذ پانے کا انحصار کسی کی موت و حیات پر نہیں ہے ۔ مثلاً حضور نے فرمایا :۔

اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ کُوْنُوا عِبَادَ اللہِ اِخْوَانًا

یہ ارشاد قوموں میں باہم ہمدردی اور اخوت کے جذبات پیدا کرتا

ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسعت پیدا کرتا ہے اور ان کے تعصبات کو دور کرتا ہے - ان تمام امور کے حصول کے لئے یہ ایک مؤثر ترین نسخہ ہے جس کو رد کر دینا کسی عقلمند انسان کا کام نہ ہوگا - اس طرح سے فرمایا :-

اِنَّ الْعَبْدَ لَیُحْرَمُ رِزْقَهٗ بِذَنْبٍ یُصِیْبُهٗ

انسان گناہ کے ارتکاب سے اپنے تئیں اپنی روزی سے محروم کر لیتا ہے - اس حدیث میں ایک ابدی اور دائمی صداقت ہے - آئے دن ناجائز طور پر روپیہ کمانے والے ملازمین برطرف کئے جاتے ہیں اور وہ بد حالی کا شکار ہو جاتے ہیں - اور فرمایا :-

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاسَ

یہ حدیث بھی دائمی اور ابدی صداقت کی حامل ہے -

وَاسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَلَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ

اپنے دل سے فتویٰ طلب کیا کرو - وہی فتویٰ درست ہوگا اگرچہ فتویٰ دینے والے کسی نا جائز امر کے متعلق جائز ہونے کا فتویٰ کیوں نہ دے دیں - فرمایا :-

مَا اُعْطِیَ عَبْدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

یعنی صبر سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں ہے جو کسی کو میسر آ جائے۔ اس حدیث میں کس قدر قیمتی اور لا زوال صداقت ہے۔ اور فرمایا :—

اَلْقَنَاعَةُ مَالٌ لَا يَنْفَدُ وَ لَا يَفْنىٰ

یعنی قناعت ایسا مال ہے جو نہ ختم ہوتا ہے اور نہ اسے فنا ہے۔

حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِيْ وَيُصِمُّ

یہ ایک حدیث ہے جو تمام دنیا کے تجربہ میں صحیح اترتی ہے۔ یعنی جس سے محبت ہو اس کی ہر بات اور ہر عیب بھی خوبی نظر آتی ہے۔ جس سے دشمنی ہو اس کی ہر بات اور ہر خوبی بھی برائی نظر آتی ہے۔

یہ حقائق و شواہد اس شخص کی بات کو نہایت شدت کے ساتھ جھوٹا اور غیر معقول قرار دیتے ہیں جو کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ اطاعت کا استحاق نہیں رکھتے۔ کیونکہ اس کے زعم میں اطاعت کا لفظ زندہ کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے۔ یہ انتہا درجے کی کم علمی اور جہالت ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ انتہا درجہ کا بغض ہے۔ ہر مسلمان کی وصیت پر عمل اس کی موت کے بعد ہی ہوتا ہے اور وصیت صرف تقسیم جائیداد کے

متعلق ھی نہیں ھوتی۔ ایک والد یہ وصیت کر جاتا ھے کہ میرے مال کا معتدبہ حصہ میری اولاد کی تعلیم پر صرف ھو اور تعلیم دینے میں دینی تعلیم و تربیت کو ھر طرح مقدم رکھا جائے۔ اس وصیت یا اس حکم کی تعمیل موصی کی وفات کے بعد ھوگی۔ یہ مثال ظاھر کرتی ھے کہ اطاعت کے لفظ کے اندر زندہ کی فرمانبرداری کا مفہوم غلط محض ھے اور جیسا کہ اوپر ذکر آ چکا ھے یہ نظریہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق اور بھی غلط ھے۔ کیونکہ حضور کی احادیث میں اکثر احادیث ابدی حقائق پر مشتمل ھیں۔ کیا مہاتما گاندھی کی وفات کے بعد ھندو جاتی ان کے قیمتی اقوال کو فراموش کر چکی ھے یا اس کے برعکس ھندوستان کا ھر ایک ممتاز شخص مہاتما گاندھی کی تعلیمات کو دھراتا رھتا ھے اور قوم کو توجہ دلاتا رھتا ھے کہ مہاتما جی کی اس تعلیم کو نہ بھولو اور اس تعلیم کو بھی نہ بھولو۔ کیا پاکستان کے لوگوں نے قائداعظم اور علامہ اقبال کے کلمات کو طاق نسیان پر رکھ دیا ھے یا برخلاف اس کے ھر جریدہ ان کے مقالات کا دھرانا اپنے لئے باعث زینت اور باعث فخر سمجھتا ھے اور ھر لیڈر اپنی تقریر کی تقویت کے لئے ان دو بزرگ ھستیوں کے ارشادات دھراتا ھے۔ منکرین حدیث نے یہ لکھ کر کہ اطاعت کے معنے عربی زبان میں زندہ شخص کی فرمانبرداری پر

بولے جاتے ھیں اپنی کم فہمی اور کم علمی کو روشن کر دیا ھے۔ ان کا علم گر کر نہایت نچلے مقام پر جا پہنچا ھے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ

یہ لوگ قرآن دانی کا دعویٰ کرتے ھیں اور قرآن کی تعلیمات کے خلاف عمل پیرا ھیں۔

قرآن شریف کے متعلق لکھا ھؤا موجود ھے کہ یہ تمام ما قبل کے نوشتوں کو اپنے اندر لئے ھوئے ھے اور تمام انبیاء کرام کی ھدایات بھی اس میں موجود ھیں۔ اسلام ان کی تعلیمات کو جو پہلے پیغمبروں پر نازل ھوئیں رد نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ پیغبر سب کے سب وفات یافتہ ھیں۔ چنانچہ فرمایا :—

فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ

یعنی ان کے طریق پر چلیں۔ اور ھم روزانہ نماز میں

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○

تمام ان انعام یافتہ لوگوں کی راہ پر چل کر سعادت حاصل کرنا چاھتے ھیں جو وفات یافتہ ھیں۔ ان قرآن دانی کے دعویٰ کرنے

والوں کو کیا ہو گیا کہ قرآن کریم کی تعلیمات کے خلاف نظریات پیش کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بالکل غلط ہے کہ عربی لغت میں اطاعت کے معنے زندہ شخص کی اطاعت کرنا ہے۔ یہ لوگ خود ہی ایک غلط قضیہ تجویز کرتے ہیں اور اس غلط قضیہ کا اطلاق پرلے درجے کی بیباکی سے سرور کائنات پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ لوگ بہت دور نکل گئے ہیں۔

حضور کے اعمال میں وسعت

مسلمانوں کو سلطنت عطا ہوئی تو وہ وقت بھی آیا جب مختلف قبائل اور مختلف قوموں نے مدینہ طیبہ میں آ کر حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت قبول کی اور حضور کی حکومت تسلیم کی۔ یہ نظارہ ایمان افروز تھا۔ دشمن جس قوم کی تباہی کے منصوبے تیار کرتا تھا اور جس پر پیہم حملے کرتا تھا آج وہ قوم خدا کے فضل سے برسر اقتدار ہے اور دشمن اسکی تعظیم و تکریم کیلئے مدینہ طیبہ میں وفود کی صورت میں آ رہے ہیں۔ یقیناً یہ مشاہدے ازدیاد ایمان کا باعث ہوئے۔ کیا یہ مظاہرے اور یہ مشاہدے کبھی اپنوں اور غیروں کی یاد سے فراموش ہو سکتے ہیں۔ یا بر عکس اسکے مضبوطی کے ساتھ اپنوں اور غیروں کے سینوں میں کندہ شدہ ہیں۔ ان کے متعلق روایات کرنیوالے نہایت ہی بلند پایہ ہستیاں ہیں جن کے نزدیک غلط بات حضور ﷺ کی

طرف منسوب کرنا گناہ عظیم تھا اور موجب سزائے جہنم - یہ صورت حال ہو اور مسلمانوں کے دلوں کے ایمان کی یہ کیفیت ہو تو روایت کسطرح سے رد کی جا سکتی ہے -

مشرک قبائل کی عزت افزائی

وفدوں کی شکلوں میں آنے والی جماعتوں میں مشرکین عرب کے قبائل بھی تھے اور یہودی اور عیسائی مذہب و ملت کے گروہ بھی - قبائل کے وفود کا استقبال حضور اس قسم کے خوش کن اور حوصلہ افزا الفاظ میں کرتے تھے :—

مَرْحَباً بِالْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامَى

یعنی ہم قوم کا خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کو یقین دلاتے ہیں کہ ان کی کسی قسم کی بیعزتی و بیحرمتی نہ ہوگی اور ان کو کسی قسم کی ندامت لاحق نہ ہوگی -

طائف کے لوگ مشرکین عرب میں سے تھے - جب حضور ان کی بستی میں وعظ کرنے کیلئے تشریف لے گئے تھے تو انہوں نے حضور کا استقبال ان پر پتھر برسا کر کیا تھا جس سے حضور لہو لہان ہوگئے تھے اور جس سے حضور پر اپنی بے بسی کا ایسا اثر ہوا تھا کہ انہوں نے ایک باغ میں درخت کی ٹہنی پکڑ کر اور سر نیچا کرکے خدا کی جناب میں ان الفاظ میں دہائی دی تھی :—

اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْ اِلَى اللّٰهِ

جب ان ظالموں کا وفد آتا ہے تو حضور اس مشرک وفد کو مسجد نبوی میں اتارتے ھیں اور ان کی خاطر تواضع کا اهتمام کرتے ھیں - ان کوشاھی مہمان قرار دیتے ھیں اور اس طرح سے ان کی عزت افزائی کرتے ھیں اور عملاً ظاھر کرتے ھیں که خدا تعالیٰ کے گھر کے دروازے ھر قوم کیلئے کھلے ھیں - کیونکه وہ رب العالمین ہے -

یہودیوں کی عزت افزائی

یه عزت افزائی تو قبائل مشرکین کے حصه میں آئی - اب یہودیوں کی عزت افزائی کا حال بھی سن لیجئے - ان لوگوں نے مشرکین عرب کے ساتھ مل کر حضور کو طرح طرح کی تکالیف پہنچائی تھیں اور یہود نے مکرر غداریوں میں اور خفیه سازشوں میں حصه لیا تھا - جب یه لوگ رسول رب العالمین کی خدمت میں حاضر ہوتے ھیں تو ان کو سراسر رحمۃللعالمین پاتے ھیں - چنانچه حضور یہودی علما اور اس قوم کے رؤسا کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنی مسجد میں اتارتے ھیں - اور یه ان کے لئے غایت درجه کی تعظیم تھی- پھر ان کی مہمانداری کا اهتمام کرتے ھیں اور پھر ان کے لئے ھر طرح کی مراعات ملحوظ رکھتے ھیں اور بالکل اسی طرح عیسائیوں کے چوٹی کے پادریوں اور ان کے ممتاز لوگوں کا وفد بھی جب حضور کی خدمت میں حاضر ھؤا تو

ان کی تعظیم و تکریم میں کسی قسم کی کسر نہ اٹھا رکھی گئی - ان لوگوں کو آزادی کے فرمان لکھ دئے گئے اور یہ بھی لکھ دیا گیا کہ ان کی جان و مال اور عزت بالکل محفوظ ہوگی - ان کی طرز زندگی اور ان کی عبادت وغیرہ میں کسی قسم کی مزاحمت یا دخل اندازی روا نہ رکھی جائیگی - یہ ہیں خلق عظیم کے مظاہرے -

یہ واقعات اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح حضور کے نظریات وسیع و بلند ہیں اسی طرح سے حضور کی قوت عملی بھی تمام تعصبات نسلی اور مذہبی سے ارفع و اعلیٰ ہے - حضور کے نظریات کا عکس حضور کے اعمال میں نظر آتا ہے - ان حقائق و شواہد کے پیش نظر وہ شخص کسقدر ظالم اور بددیانت ہے جو یہ کہتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نظریات بیشک وسیع تھے لیکن ان کے اعمال ان کی قوم کے ماحول تک محدود تھے اسلئے ان کے افعال میں وسعت و بلندی کا پایا جانا ممکن نہ تھا کیونکہ اعمال کیلئے صرف ان کے سامنے اپنی قوم کا ماحول تھا اور اس ماحول سے اوپر پرواز کرنا حضور کیلئے محال تھا - ان منکرین حدیث سے بڑھکر ایک عیسائی اور آریہ بھی حضور رسول کریم کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا -

حضور انسانیت کی نشو و نما کے لئے مبعوث کئے گئے تھے

ان منکرین حدیث کے خیال میں رسالت کا تصور یہ ہے کہ

رسول کریم ﷺ عربوں کا لباس پہنتے اور رسول کریم وہی کھانا کھاتے تھے جو عرب قوم کو مرغوب تھا اور ان کے حالات کے اندر ان کو تعلیم دیتے تھے اور رسول کریم اس ماحول سے تجاوز کر کے کوئی بلند پروازی نہ دکھا سکتے تھے۔ رسالت کا یہ تصور ہی غلط ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انسانیت کی نشوونما کیلئے مبعوث کئے گئے تھے۔ انسانیت نہ تو رنگ و بو میں مقید ہے اور نہ ہی ملبوسات و مشروبات میں انسانیت ان تمام حدود سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضور اسی جوہر کو کمال تک پہنچانے کیلئے مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا :-

اِنِّیْ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

حضور سرور کائنات کو مختلف قوموں سے پالا پڑا۔ ہر موقعہ پر حضور کے اعمال سے ظاہر ہؤا کہ حضور تمام قسم کے تعصبات سے پاک ہیں۔ انہوں نے ہر موقع پر وسیع القلبی کا ثبوت دیا۔ جب فتح مصر کی پیشگوئی کی تو ساتھ ہی اہل مصر کے ساتھ ہر طرح کی بھلائی کرنے کی بھی تلقین فرمائی اور ایسا کرنیکے لئے بعض وجوہ بھی بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ وہ ہمارے ماتحت رہائش کرنے کی وجہ سے ذمی بن جائیں گے اور دوسرا یہ کہ دادی اماں حضرت ہاجرہ کی وجہ سے ہماری ان کے ساتھ رشتہ‌داری بھی ہے اور اس رشتہ‌داری کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ یمن تو عہد نبوی میں ہی فتح

هؤا تھا ۔ جب معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو اہل یمن کے یہودیوں پر حکومت کرنے کے لئیے متعین کیا تو حضور نے ان حاکموں کو تلقین فرمائی کہ تم اہل کتاب پر حاکم ہو کر جا رہے ہو۔ ان سے نرمی کرنا اور ان پر ظلم کرنے سے اجتناب کرنا اور مظلوم کی آہ سے بچنا ۔ کیونکہ مظلوم کی آہ سیدھی خدا تک پہنچتی ہے ۔ نیز ان کے قیمتی اموال ہڑپ کرنے کی نیت سے وہاں نہیں جانا ۔ مصر میں عیسائی رہتے تھے اور یمن میں یہودی ۔ دونوں ملکوں کی رعیتوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا حکم دیا جس میں خدا خوفی اور خدا کی مخلوق کی خدمت ملحوظ تھی ۔ یہ مثالیں آشکارا کرتی ہیں ۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ کے نظریات ہی وسیع نہ تھے بلکہ ان کے اعمال میں بھی وسعت تھی ۔ حضور کو اس بات کا پورا احساس تھا ۔ کہ وہ تمام قوموں کیلئے مبعوث ہوئے تھے چنانچہ فرماتے تھے :—

اِنِّیْ بُعِثْتُ لِلنَّاسِ کَافَّۃً

اس احساس کا مشاہدہ ان کے عمل سے عیاں ہوتا تھا ۔ ان تاریخی واقعات کے پیش نظر ہم ان لوگوں کو بڑا ظالم یقین کرتے ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نہ تو اپنے ماحول کی حدود سے باہر قدم رکھ سکتے تھے ۔ اور نہ ہی اس فضا سے اوپر پرواز کر سکتے

تھے - بلکہ ان کے ارشادات مختص القوم اور مختص الزمان ہیں -

انسانیت نسل اور رنگ کے امتیازات کے علاوہ کسی دوسری حقیقت کا نام ہے - لسانی اختلافات اور چمڑے کے رنگ کے اختلافات میں انسانیت محدود نہیں ہے -

حضور نے تلقین فرمائی :-

وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

حضور ﷺ نے فرمایا :-

وَمِنْ آیَاتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ

وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذَالِکَ لَاٰیَاتٍ لِلْعَالِمِیْنَ ○

حضور نے فرمایا :-

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنَا کُمْ

شُعُوْباً وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ

اَتْقَاکُمْ

حضور نے ان آیات کی روشنی میں فرمایا :-

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰے عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰے عَرَبِیٍّ

وَ لَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَ لَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ

وُہ پیغمبر جوان نظریات کی اشاعت کرنےوالا ھے - اور جو ان نظریات پر عمل کرکے دکھانے والا ھے - اس پیغمبر کی رسالت کا یہ تصور کہ وہ عربوں کا لباس پہنتا تھا اور عربوں کا کھانا کھاتا تھا اور اسلئے وہ اس ماحول سے باھر نہیں جا سکتا تھا - غلط محض ھے - جس عظیم شخصیت کی تعلیم و تربیت کی شان

یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ

ھو بھلا وہ ایسی کمزور بات اور ایسی ناقابل عمل بات تلقین کر سکتے ھیں - کہ فلاں قسم کا لباس پہنا جائے اور خاص قسم کی خوراک کھانا چاھئے - وہ یقیناً جانتے تھے - کہ خوراک کا انحصار موسم پر ھوتا ھے - اور کسی قدر قوم کی روایات پر - اور وہ یہ بھی جانتے تھے - کہ لباس کا انحصار بھی ھر ملک کے موسم پر اور ھر ملک کی عادات و روایات پر ھوتا ھے - اسلئے نہ تو قران حکیم نے اور نہ ھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لباس کی کسی قطع و وضع کا نقشہ کھینچا اور نہ ھی خوراک کے متعلق کبھی ارشاد فرمایا - کہ فلاں فلاں چیز تمہارا کھانا ھوگا -

اسلام فطرت کا مذھب ھے- اور اسلام تمام اقوام عالم کا مذھب ھے -

وہ مسلمان جو ناروے سویڈن میں رهتا هے یا وہ مسلمان جوآئیلینڈ میں رهتا هے اس کا لباس اور اسکی خوراک ان لوگوں سے مختلف رهیگی - جو وسط افریقه میں بود و باش رکھتے هیں - یا وسط عرب میں رهتے هیں - ان کے رنگ مختلف هیں - ان کی بولیاں مختلف هیں - ان کے لباس اور ان کی خوراک مختلف هے - لیکن انسانیت ایک هی هے اور فطرت بهی ایک هے اسلام اس انسانیت اور اس فطرت کی تربیت و نشوونما کو سامنے رکھتا هے - فن لنیڈ جو روس کے شمال مغرب میں هے انتها درجے کا سرد ملک هے - وهاں پر بهی مسلمان بہت بڑی تعداد میں بستے هیں - ان کا کھانا پینا - لباس اور بولی تو اهل عرب سے مختلف هے - لیکن ان کا دین وهی هے - جواهل مکه اور اهل مدینه کا هے - اور اسی بات کو ملحوظ رکھتے هوئے حضور نے فرمایا تھا :—

اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِیَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا حَيْثُ كَانُوْا

میرا قرب هراس شخص کو حاصل هے - جو متقی هے وہ کسی قوم کا هو اور کسی وطن کا باشندہ هو - حضور ﷺ کے نظریات محدود نہیں هیں بلکه انتہائی وسعت کے حامل هیں - اور عالمگیر هیں -

منکرین حدیث نے ان حقائق و شواهد کے برخلاف کمر باندھ لی هے - که حضور نبی کریم ﷺ جو سراپا رحم هیں ان کے دین کو بدنام کرکے چھوڑیں - مگر یه لوگ خود بدنام اور ذلیل

ہو کر رہ جائینگے۔ حضور کس طرح رحمۃ للعالمین قرار دئے جا سکتے ہیں۔ جبکہ ان کے اعمال و اخلاق اور خصائل و شمائل میں تنگ ظرفی اور تنگ نظری موجود ہو۔ خواہ ماحول کی وجہ سے خواہ کسی اور وجہ سے۔ جب ان کا عمل کسی وسعت اور کسی بلندی کا حامل نہ ہوگا تو کیا وہ اس سرٹیفیکیٹ کے مستحق ٹھہر سکتے ہیں۔ جو خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین اورکافۃ للناس کے الفاظ میں دے رکھا ہے۔ منکرین حدیث خدا اور خدا کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں ۔ ورنہ وہ رحمۃللعالمین و کافۃ للناس کے خطاب کو متحقق کرکے دکھائیں منکرین حدیث نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ کا کام صرف اسقدر تھا۔ کہ وہ صدر ریاست کی حیثیت یا مرکز ملت کی حیثیت سے امور سلطنت سر انجام دیا کرتے تھے۔ یا قرآنی اصول کی جزئیات مرتب کیا کرتے تھے۔ منکرین حدیث نے حضور کی رسالت کو محدود کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کی حد بندی نہیں ہے۔ اور نہ قرآن کریم میں صدر ریاست کے الفاظ یا مرکز ملت کے الفاظ ملتے ہیں۔ یہ اختراع ہے۔ اور قرآن کریم سے صریح انحراف ہے۔

قرآن کریم نے جو حضور ﷺ کا منصب اور ان کے فرائض بیان کئے ہیں۔ وہ بالکل مختلف ہیں اور وہ یہ ہیں :۔

لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ
مُبِينٍ ○ (٣ : ١٦٣)

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا
وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ
مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○ (٢ : ١٥١)

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ○ (٢ : ٦٢)

مذکورہ بالا آیات میں جو فرائض حضور نبی کریم کے ذمے لگائے گئے ہیں وہ نہایت ہی اہم ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو صدر ریاست کرکے یاد نہیں کیا ہے اور نہ ہی ان آیات میں فرائض حکومت کا ذکر ہے۔ تین دفعہ جن فرائض کو بار بار بیان کیا ہے ۔ وہ یقیناً اہم ترین فرائض ہیں ۔ اور وہ یہ ہیں :—

۱- يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ - ۲- يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

۳- (يُعَلِّمُهُمُ) الْحِكْمَةَ ۴- وَيُزَكِّيْهِمْ -

اور انہی اهم ترین فرائض کا ذکر دعائے ابراهیمی میں پایا جاتا ہے۔ دعائے ابراهیمی کے الفاظ یہ هیں :—

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (۲ : ۱۲۹)

قوم سازی مشکل ترین کام تھا۔ اسلئے قوم سازی کے تمام پہلوؤں کا ذکر کیا اور یہی پیغمبر کا اصل کام ہے اسلئے حضور ﷺ کے سپرد یہ کام کرتے هوئے اس مشکل ترین و اهم ترین کام کے تمام پہلوؤں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور حضور نے رسالت و نبوت کے اس حصه کو نہایت هی روشن کامیابی کے ساتھ سر انجام دیا ہے۔

حضور علیه الصلواة والسلام نے قاری و حفاظ پیدا کئے جن کے اسماء احادیث میں مذکور هیں۔ حضور علیه الصلواة والسلام نے مفسر پیدا کئے جن کے اسماء احادیث میں مذکور هیں۔ وہ قران کریم کے معانی و معارف بھی بیان کرتے تھے اور تعلیمات قرآنیه کی حکمت بھی

بیان کرتے تھے اور سب سے اہم کام ان میں تزکیہ نفس اور طہارت پیدا کرنا تھا اور ان کو باخدا اور خدا پرست بنانا تھا - اس مقصد میں حضور ﷺ کو خصوصی کامیابی حاصل ہوئی - یہاں تک کہ لوگوں کو ملکوتی صفات سے متصف کر دیا - ساری کی ساری قوم کے درمیان دینی فضا پیدا کرنے کے لئے یہ انتظام بھی کیا گیا تھا کہ ملک کی مختلف اطراف اور اس کے مختلف قبائل سے علم دین سیکھنے کے لئے مستعد اور ہونہار اشخاص حضور کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے لئے اور قران کریم کے معارف سیکھنے کے لئے مدینہ طیبہ میں بلائے جاتے تھے- اس کا ذکر صرف حدیث میں ہی نہیں ملتا بلکہ خود قرآن کریم میں بھی موجود ہے - جیسا کہ فرمایا :-

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (۹:۱۲۲)

اس انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ دینی فضا اور دینی ماحول پیدا ہوگیا - اس فضا اور اس ماحول کے پیدا کرنے والے حضور رسالتمآب تھے جو قرآن کریم کی تفسیر اور احکام الٰہی کی لم اور حکمت بیان فرماتے تھے - صحابہ کرام قرآن کریم بھی سیکھ لیتے تھے اور حضور کی صحبت میں

رہ کر جو کلمات طیبات سنتے تھے ان کو محفوظ بھی کر لیتے تھے اور ان پر عمل پیرا ہوتے تھے ۔ تعلیم و تفسیر کے اس حصہ اور فیض صحبت میں رہ کر ارشادات نبوی کو سننے کا نام حدیث ہے ۔ اس کا چرچا ساری قوم اور سارے ملک میں ہوتا تھا اور ساری کی ساری قوم ان تلقینات پر اخلاص اور گرم جوشی سے عمل درآمد کرتی تھی ۔

منکرین حدیث حضور نبی کریم ﷺ کی تعلیم و تربیت کے اس حصہ کا نام نہیں لیتے ۔ یہ دیانت و امانت کے خلاف ہے ۔ ظاہر ہے آنحضرت کی کارکردگی کا یہ اہم ترین حصہ ایسا نہیں جس کو فراموش کر دیا جائے اور یہ کام ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کو دین کی اساس قرار نہ دیا جائے اور اس کی محض تاریخی حیثیت قرار دیجائے اور پھر اس کے متعلق یہ جسارت کی جائے کہ اُمت کے لئے ان ارشادات پر عمل پیرا ہونا فرض نہیں ہے ۔ ہاں اُمت چاہے تو ان ارشادات کے کسی حصہ پر عمل کر لے اور چاہے تو اس کو مسترد کر دے ۔ نیز یہ کہنے کی جسارت کی جائے کہ کسی ارشاد نبوی کے یقینی متحقق ہو جانے کے بعد یہ امر تو واضح ہو جائیگا کہ حضور ؐ اس مختص موقع پر کیا ارشاد فرمایا تھا لیکن حضور کے فرمان کو دینی حجت نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

منکرین حدیث جب یہ کہتے ہیں کہ حضور کے ارشادات کو

برسر اقتدار مرکز ملت بطور نظائر کے سامنے رکھ سکتا ہے تو وہ اپنی کمئی علم و فہم کا دو رنگ میں اظہار کرتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ گویا حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کا اہم ترین فریضہ قوم سازی نہ تھا بلکہ وہ ایک حاکم تھے جن کے فیصلہ جات بطور نظائر کے استعمال کئے جا سکتے ہیں ۔ حالانکہ حضور کے عظیم الشان معجزات میں سے ایک تو یہ ہے کہ انہوں نے ایک متحد قوم تیار کی جس کا اوڑھنا بچھونا تقویٰ تھا ایسی قوم تیار کرنے میں سیاست کا حصہ تھوڑا سا تھا۔ اکثر حصہ روحانیات اور اخلاقیات کی تعلیم و تربیت کا تھا اور اس حصۂ تعلیم و تربیت کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات مختص الزمان اور مختص المکان و مختص القوم نہ تھے بلکہ وہ دائمی اور ابدی اقدار کے حامل ہیں ۔

ایسی چند احادیث ناظرین کے غور کے لئے یہاں پر درج کی جاتی ہیں جن کی دائمی و ابدی روشنی ہمیشہ تمام انسانیت کی راهنمائی کرتی رهیگی ۔ یہ احادیث ہیں سنت محض نہیں ہیں ۔ وہ نظائر نہیں ہیں جو مقدمات کا فیصلہ دینے کے وقت سامنے رکھی جا سکتی ہوں اور نہ ہی ان کی اهمیت اجازت دیتی ہے کہ ان کو محض تاریخی حیثیت دی جائے۔

ابو سفیان نے هرقل شاہ شام کے سامنے اور حضرت جعفر صادق رض

نے نجاشی شاہ حبشہ کے سامنے حضور ﷺ کے متعلق ذیل کی شہادت دی تھی کہ حضور کی تعلیم یہ ہے :—

یَقُولُ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوا بِہٖ شَیْئًا وَّیَاْمُرُنَا بِالصَّلٰوۃِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَۃِ

اس ایک ارشاد نبوی میں کس قدر جامع تعلیم ہے۔ اس ارشاد میں تمام انسانیت کے لئے تعلیم ہے۔ اس ارشاد میں انسانیت کو سکھایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے سے قلب و روح ترقی کرتے ہیں۔ عبادت خداوندی سے دل میں فراخی پیدا ہوتی ہے اور تنگ نظری اور تنگ ظرفی کو دور کرنے کے لئے یہ ایک مؤثر نسخہ ہے کہ رب العالمین کی عبادت کی جائے۔ اسی سے خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا خدا کے ساتھ تو یہ تعلق ہو اور اس کی مخلوق کے تمام معاملات میں صدق اور راست گفتاری اور حق پرستی ملحوظ ہو اور العفاف یعنی عفت کی زندگی اختیار کی جائے۔ عفت کی زندگی کا تقاضا یہ ہے کہ پیٹ میں حرام کی روٹی نہ جانے پائے اور اپنے تئیں بدکاری سے محفوظ رکھا جائے۔ اس عفت کی زندگی کے اختیار کرنے سے انسان دو ایسی خواہشات سے بچتا ہے جس نے دنیا میں حرص و ہوا کے بندے پیدا کئے اور جس نے عیش و عشرت میں غرق رہنے والے لوگ پیدا کئے۔ اہل مغرب

حرص و آز کے بندے ہیں۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ

بھلا تم نے وہ لوگ دیکھے ہیں جو اپنے نفس اور نفس کی خواہشات کے سامنے سجدے میں گرے رہتے ہیں۔ دنیا کے تمام ممالک اور تمام گوشوں کا مال فراہم کرتے ہیں تا کہ مرغوبات و لذات نفس کو بہت وسیع پیمانے پر مہیا کیا جا سکے۔ بے نظیر ملبوسات ہوں۔ بے نظیر مطعومات و مشروبات ہوں۔ مجالس رقص وسرود ہوں۔ بد مستی و مدھوشی ہو مرد و زن کے حیوانی جذبات مشتعل ہوں اور پھر ان کی تسکین ہو اور قوم کو گمراہ کرنے کے لئے انہیں یہ تعلیم دی جائے کہ فطری تقاضوں کو پورا کرنے میں کسی قسم کا مضائقہ نہ ہونا چاہئیے۔

حضور ﷺ نے ساری انسانیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ان خواہشات سے اجتناب کرنے کی تلقین فرمائی تا کہ قومیں ناجائز مال کو پیٹ میں نہ جانے دیں اور تا وہ حرام کاری سے پرہیز کریں۔

سبحان با مر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور ﷺ نے فسادات کے اصل سرچشمہ اور منبع کا پتہ دیا اور اس کا حتمی علاج بھی تجویز فرمایا اور آخری امر جس کی تعلیم فرمائی وہ الصلۃ ہے یعنی قرابت داری کے تعلقات کو مضبوط کرنا۔ قرابت داری محدود اور غیر محدود دونوں معنوں کی حامل ہے۔ حرام کا

مال کھانا منع کر دینے اور قوم کی بہو بیٹیوں کی حرمت قائم کر دینے کے بعد فرمایا صلہ رحمی مد نظر رکھتے ہوئے اپنا مال قوم پر قربان کرنا سیکھو

منکرین حدیث خدا کا خوف دلوں میں بٹھا کر حضور کی تعلیم کے پیش نظر اپنے غیر معقول اور غیر مفید خیالات کی اصلاح کریں۔ یہ تعلیمات صرف تاریخی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان میں دائمی و ابدی حقیقتوں کی تعلیم ہے۔

حضور نے تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے اور خدا سے تعلق پیدا کرنے کے لئے ذیل کی تلقین فرمائی :—

اَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ

یعنی وہ عبادت کرنے والا شخص جو اپنی دعاؤں کی قبولیت کا خواہشمند ہے حلال طیب کمائی کی روٹی کھانے کا اہتمام کرے۔ یہ سنت نہیں ہے ، حدیث ہے۔ اس کی حیثیت تاریخی نہیں ہے۔ یہ کوئی فیصلہ نہیں ہے جو بطور نظیر سامنے رکھا جاوے۔ یہ ارشاد نبوی دائمی اور ابدی حقیقت کا حامل ہے اور ساری انسانیت کے لئے اس میں راہنمائی ہے۔ یہ ارشاد نبوی کسی خاص قوم کی تعلیم و تربیت کے لئے مختص نہیں ہے بلکہ اس ارشاد نبوی میں عمومیت ہے اور تمام انسانیت یکساں طور پر اس سے مستفیض ہو سکتی ہے۔ منکرین حدیث اس ارشاد نبوی ﷺ

کی روشنی میں اپنے خیالات کی اصلاح کریں۔ اس طرح سے ایک اور حدیث قابل غور ہے۔ فرمایا :-

اَلصِّدْقُ يُنَوِّرُ الْقَلْبَ۔ اَصْدَقُكُمْ رُؤْيَا اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا

یعنی راستبازی اختیــار کرنے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے اس لئے وہ شخص جو زیادہ راستبـاز ہوگا اس کی خواب اکثر سچی نکلیگی۔ فــرمــایــا :-

اَلْمَعْصِيَةُ تُطْفِئُ نُوْرَ الْقَلْبِ

معصیت الٰہی سے نور قلب ماند پڑ جاتا ہے۔ اور فرمایا :-

اَلصِّدْقُ طَمَانِيْنَةٌ وَالْكِذْبُ رِيْبَةٌ

راستبازی دل میں طمانینت پیدا کرتی ہے اور جھوٹ دل میں قلق و اضطراب پیدا کرتا ہے۔ اس لئے فرمایا :-

عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ وَاِيَّاكُمْ مِنَ الْكِذْبِ

یعنی راست بازی اپنے اوپر لازم کر لو اور جھوٹ سے اجتناب کرو۔ اور فرمایا :-

اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّ بِهٖ قَلْبُكَ

نیکی اختیار کرنے سے دل میں راحت و سرور پیدا ہوتا ہے۔

وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِیْ نَفْسِكَ وَیَتَرَدَّدُ فِیْ صَدْرِكَ وَتَخَافُ اَنْ یَطَّلِعَ عَلَیْهِ النَّاسُ

اور بدی وہ ہے جس سے دل میں کھٹکا پیدا ہو اور اس کے ارتکاب کا خیال بار بار دل کو ستاتا ہو اور اس بات کا خطرہ لاحق ہو کہ کہیں لوگوں کو میری اس ناجائز حرکت کی اطلاع نہ ہو جائے۔

یہ ارشادات نبوی ﷺ تزکیہ نفس پیدا کرنے کے لئے مؤثر نسخہ جات ہیں، اور تمام انسانیت کے لئے یکساں مفید ہیں۔ منکرین حدیث ان روشن ارشادات نبوی پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اسی طرح فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ مَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِیْنَ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○

تزکیہ نفس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مومنین کی تکریم کرتے ہوئے ان کو وہی حکم دیا جو اس نے اپنے مخلص بندوں انبیاء کو دیا تھا، کہ حلال طیبب کمائی کی روٹی کھاؤ اور نیک عملی کی زندگی اختیار کرو اور یہ ایمان اور ایقان دلوں میں بٹھاؤ کہ خدا ہمارے افعال اور ہمارے

تمام معاملات کو دیکھتا ہے۔ حضور نے جہاں تمام انسانیت کے لئے ارشادات فرمائے وہاں مسلمانوں کو خصوصی تعلیم سے محروم نہیں ہونے دیا۔ جس طرح سے تمام اقوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :-

اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَاناً

اسی طرح فرمایا :-

مَثَلُ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَتَرَاحُمِھِمْ کَجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا شْتَکٰی مِنْہُ عُضْوٌ وَاحِدٌ تَدَاعٰی لَہٗ سَآئِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی

یعنی مسلمان ایک جسم کا حکم رکھتے ہیں اگر اس کا ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تمام اسلامی دنیا کے مسلمانوں کے اندر اس تعلیم نے ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دیا اور اس کا مشاہدہ دنیا نے ترکی اور طرابلس کی جنگوں میں کیا اور دفاع کے لئے فرمایا :-

مَثَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا

جس طرح ایک دیوار یا ایک مکان کے بعض حصص دوسرے حصص کی مضبوطی کا باعث ہوتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں کو باہم دگر ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بننا چاہئیے۔ مسلمانوں کو فرمایا :—

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا يَبْغِيْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ كُوْنُوْا يَا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

یعنی ایک دوسرے سے نہ تو بغض رکھو اور نہ حسد رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے پر زیادتی کرو۔ اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو کر زندگی بسر کرو۔ اس طرح سے مسلمانوں کو اخوت و مساوات کا لاجواب سبق دیا ہے۔

یہ احادیث حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات ہیں۔ یہ احکام الٰہی کے ما سوا ہیں اور ان پر عمل در آمد کرنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :—

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ

یعنی ہر رسول کے مبعوث کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس کے ارشادات کی تعمیل کی جائے۔ اور ہر رسول کے ارشادات احکام الٰہی کے ما سوا ہوتے ہیں جن کی پابندی کرنا ان کی امت کا فریضہ ہوتا ہے۔ یہ تو ہر رسول کے لئے عام قاعدہ ہے۔ اس قاعدہ کے ماتحت بھی حضور ﷺ

کے ارشادات کی پابندی کرنا ہم پر فرض ہے۔ لیکن حضور کے لئے خصوصی طور پر بھی فرمایا۔ مُطَاعٍ ثَمَّ یعنی نبی کریم کو جناب الٰہی کی طرف سے مطاع کر کے بھیجا گیا ہے اس لئے ان کی اطاعت کرنا قوم کا فریضہ ہے اور اطیعوا الرسول کے یہی معنی ہیں۔ اطیعوا الرسول کا حکم اطیعوا اللہ کے حکم کے علاوہ ہے۔ خدا کے بھی احکام ہوتے ہیں اور رسول کے بھی احکام ہوتے ہیں۔ اس لئے منکرین حدیث کا یہ ترجمہ کرنا کہ اطیعوا الرسول کا مفہوم یہ ہے کہ اطیعوا اللہ یعنی صرف خدا کے احکام کی تعمیل کرنا۔ تو یہ غلط اور گمراہ کن ہے۔ اور اطاعت رسول کا یہ مفہوم جو منکرین نے بیان کیا ہے کہ اطاعت زندہ انسان کی ہوتی ہے وہ بھی حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی ان احادیث کی رو سے غلط ٹھہرتا ہے۔ جن میں ابدی اور دائمی صداقتیں بیان کی گئی ہیں۔ منکرین حدیث کا یہ خیال بھی باطل ثابت ہو گیا ہے کہ احادیث کی حیثیت صرف تاریخی ہے اور ان کا یہ خیال بھی کہ اگر کوئی حدیث یقینی بھی متحقق ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ رسول کریم نے اپنے زمانہ میں کیا ارشاد فرمایا تھا بودا ثابت ہو گیا۔ غرضکہ منکرین حدیث کی عمارت بیت العنکبوت ثابت ہو گئی۔

وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ

ان احادیث نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ رسالت و نبوت

کا اهم کام قوم سازی اور قوم کی اخلاقی و روحانی تربیت کرنا اور ان کا تزکیه نفس کر کے ان کو با خدا اور خدا پرست اور ملکوتی صفات کا مالک بنانا اور ان کو خدا کی مخلوق کا خادم بنانا هے۔ حکومت کرنا اور امور حکومت کی تعلیم دینا اگرچه دنیا کے معاملات کا سب سے اهم اور سب سے زیاده مشکل حصه هے۔ تا هم یه رسالت اور نبوت کے فرائض کا صرف ایک حصه هے۔ نبوت اور رسالت کو سیاست کا مترادف قرار دینا بہت بڑی غلطی اور بہت بڑی گمراهی هے۔ حضور نبی کریم ﷺ چونکه کامل نبی هیں اس لئے ان کی تعلیمات میں سیاسیات بھی شامل هیں ورنه هر ایک نبی کی تعلیمات میں سیاست نظر نہیں آتی۔

عامة الناس کی رهنمائی کرنے والی احادیث

اب منکرین حدیث کے دلوں میں بصیرت پیدا کرنے کی غرض سے اور عامة المسلمین کے استفاده کے لئے ذیل میں چند اور احادیث درج کی جاتی هیں جن کا اطلاق کسی ایک خاص قوم کے لئے یا کسی مختص وقت کے لئے نہیں بلکه ان کا نفع عام هے اور هر زمانه کے لئے هے۔ ان احادیث کی ذاتی حیثیت ایسی هے که نه تو وه اسناد کی محتاج هیں اور نه هی ان کو کسی قسم کی جرح و قدح و تعدیل کا خوف هے۔ وه اپنی ذات میں مستند هیں اور وه کسی کی جرح و قدح سے مجروح نہیں هو سکتیں بلکه وه ستاروں کی طرح چمکتی رهینگی اور همیشه لوگوں کی راهنمائی کرتی رهینگی۔

۱- یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ کُوْنُوْا یَا عِبَادَ اللهِ اِخْوَانًا ○

اے دنیا جہان کے لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے - تم اے اللہ کے بندو بھائی بھائی ہو کر رہو-

۲- یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی خَیْرُکُمْ عِنْدَاللهِ اَتْقَاکُمْ -

اے لوگو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ ایک ہے- کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں - اور نہ کسی سیاہ فام کو سفید رنگ والے پر اور نہ کسی سفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت حاصل ہے فضیلت صرف تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے- اللہ کے نزدیک سب سے اچھا وہی ہے- جو تم سب سے زیادہ متقی ہے-

۳- اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ -

اعمال کا مدار نیتوں پر موقوف ہے-

۴- اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ عِنْدَ اللهِ اَدْوَمُهَا-

یقیناً اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے- جس پر

مداومت اختیار کی جائے۔

٥- عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ طُمَانِيْنَةٌ

سچائی کا اختیار کرنا اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ سچائی (باعث) اطمینان (قلب) ہے۔

٦- عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ۔ اِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ

صدق اختیار کرو۔ کیونکہ صدق نیکی کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور نیکی راہنمائے جنت ہے۔ جھوٹ سے بچو۔ کیونکہ جھوٹ بدکاری کا پیش خیمہ ہے۔ اور بدکاری جہنم میں لے جانے کا باعث ہے۔

٧- اِنَّ اللهَ طَيِّبٌ وَّيُحِبُّ الطَّيِّبَ اِنَّهٗ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهٖ الْمُرْسَلِيْنَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى يَآ اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ

اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ اس نے مومنوں کو وہی حکم دیا جو اپنے رسولوں کو دیا۔ فرمایا۔ اے رسولو۔ ستھری اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور بھلائی کے کام کرو۔ اللہ تمہارے اعمال کو

وَاعْمَلُوْا صَالِحاً اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۔

خوب جاننے والا ہے ۔ نیز فرمایا اے مومنو ستھری چیزیں کھاؤ۔

۸- يَا سَعْدُ اَطِبْ مَطْعَمَكَ تَكُنْ مُسْتَجَابَ الدَّعْوَاتِ

اے سعد ۔ حلال طیب کمائی کی روٹی کھاؤ اس سے مستجاب الدعوات بن جاؤگے ۔

۹- بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ اَنْ لَّا نَقُوْلَ اِلَّا الْحَقَّ اَيْنَمَا كُنَّا وَلَا نَخَافَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۔

ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر یہ بیعت کی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہونگے۔ سچائی کا دامن نہ چھوڑینگے اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف کھائیں گے ۔

۱۰- اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِيَ الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا حَيْثُ كَانُوْا

لوگوں میں سے میرے قریب وہ لوگ ہیں ۔ جو تقویٰ کی راہوں پر گامزن ہوں ۔ خواہ وہ کسی قوم سے ہوں اور کسی وطن کے ہوں۔

۱۱- لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ	جو امانتدار نہیں وہ ایماندار نہیں اور جو عہد و پیمان کا پختہ نہیں اس کا کوئی دین نہیں -
۱۲- لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَّا یَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ	وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جسکا ہمسایہ آسکی شرارتوں سے محفوظ نہیں -
۱۳- اَمَرَهُمْ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ	انہیں ایفائے عہد اور ادائے امانت کا حکم دیا -
۱۴- هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ اِبْتَغُوْنِیْ فِی الضُّعَفَاءِ	تمہیں صرف تمہارے غربا کی وجہ سے نصرت دیجاتی ہے اور روزی دیجاتی ہے میری تلاش ہو تو مجھے غربا میں تلاش کیا کرو -
۱۵- اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ	تم اہل زمین پر رحم کرو - آسمان والا تم پر رحم کریگا -
۱۶- اِنَّ اللّٰهَ یَرْحَمُ مِنْ	اللہ اپنے مشفق شفیق بندوں

عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ

پر رحم کرتا ہے ۔

١٧- اِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَاْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں ۔ پس جس بھائی کو اللہ تعالیٰ نے کسی کے ماتحت کردیا ہو ۔ اُسے چاہئے کہ وہ اُس کو وہی کچھ کھلائے جو وہ خود کھاتا ہو اور پہننے کے لئے اُسی قسم کے کپڑے اُسے دے جیسے وہ خود پہنتا ہے ۔

١٨- بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى اِلَيْهِ الْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ

ولیمہ کی وہ دعوت بہت ہی بری ہے جس میں امرا کو تو بلایا جائے اور غربا کو ترک کر دیا جائے۔

١٩- كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَخَلَّفُ فِي الْمَسِيْرِ وَيُزْجِي لِلضَّعِيْفِ وَيُرْدِفُهُ وَيَدْعُوْلَهُ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ لَهُ فَضْلُ ظَهْرٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ

حضرت نبی کریم ﷺ قافلہ کے پیچھے رہتے اور کمزور لوگوں کیلئے سہولت پہنچاتے اور انہیں اپنے ساتھ پیچھے سوار کرالیتے اور اُسکے لئے دعا فرماتے اور فرمایا کرتے تھے جس کسی

مَنْ لَا ظَهْرَ لَهٗ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَضْلُ طَعَامٍ فَلْيَعُدْ بِهٖ مَنْ لَا طَعَامَ لَهٗ

کے پاس زائد سواری ہو اسے چاہئے کہ وہ ایسے شخص کو دے جسکے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اسکو دیدے جس کے پاس کھانا نہ ہو۔

٢٠- اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا

ایک مومن دوسرے کے لئے مثل دیوار کے ہے - جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے۔

٢١- مَثَلُ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ الْوَاحِدِ اِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى

مسلمانوں کی باہمی ہمدردی اور رافت کی مثال جسد واحد کی طرح ہے - جب اسکا ایک عضو بیمار ہو جاتا ہے - تو سارا جسم از روئے ہمدردی بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

٢٢- اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤْمِنُ

مسلمان وہ ہوتا ہے جس کی زبان اور جسکے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن

مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ — وہ ہوتا ہے جس سے دوسرے لوگ امن میں رہیں۔

۲۳- لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ — تم میں سے کوئی (پکا) مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۲۴- اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَسْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِيْ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ — اللہ تعالیٰ نے میرے پر وحی کی ہے کہ انکساری اختیار کرو یہاں تک کہ ایک دوسرے پر تمسخر نہ کرے اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرے۔

۲۵- كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ — تم سب کے سب حاکم ہو اور تم سب سے اپنے ماتحتوں کے بارہ میں باز پرس کی جائیگی۔

۲۶- اَلْمَلِكُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ — بادشاہ حاکم ہے اس سے اس کے ماتحتوں کے بارہ میں باز پرس ہوگی۔

۲۷- بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى — ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس

السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَأَنْ لَّا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَبَدًا وَأَنْ نَقُومَ بِالْحَقِّ فِيمَا كُنَّا وَأَنْ لَّا نَخَافَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

امر پر بیعت کی کہ ہم سکھ اور دکھ میں حکم کو بسروچشم قبول کرینگے اور اطاعت کرینگے ۔ اور کسی امر پر کبھی بھی جھگڑا نہیں کرینگے اور ہم ہمیشہ حق پر رہینگے اور لعن و طعن کی پرواہ نہ کرینگے

٢٨- مَنْ أَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيعُوهُ

جو کوئی تمہیں معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت نہ کرو۔

٢٩- اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ حَقٌّ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِالْمَعْصِيَةِ فَإِذَا أُمِرَ بِالْمَعْصِيَةِ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ

حکم بسرو چشم قبول کرنا اور اطاعت کرنا فرض ہے جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیا جائے جب معصیت کا حکم دیا جائے تو اسے نہ سنا جائے اور نہ ہی اسکی اطاعت کی جائے۔

٣٠- لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

مخلوق کی اطاعت ایسے امور میں واجب نہیں جن میں خالق کی نافرمانی پائی جاتی ہو ۔

٣١- أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ

سب سے افضل جہاد ایک ظالم بادشاہ کے منہ پر حق بات کا

عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ	کہنا ہے ۔
۳۲- اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِیْ لِتَمَامِ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ	اللہ تعالیٰ نے مجھے اخلاق فاضلہ کی تکمیل اور افعال حسنہ کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا ہے ۔
۳۳- اَلَا اِنَّ دَاءَكُمُ الذُّنُوْبُ وَ دَوَائُكُمُ الْاِسْتِغْفَارُ	سنو تمہاری بیماری تمارے گناہ میں ہے اور تمہاری دوا استغفار کرنا ہے ۔
۳۴- لَا تُكَفِّرُوْا اَهْلَ قِبْلَتِكُمْ ۔ مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذَالِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰهَ فِیْ ذِمَّتِهٖ	اہل قبلہ کی تکفیر مت کرو ۔ جو کوئی ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلم ہے اسکا اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ عہد ہے۔ پس تم اللہ کے عہد کو مت توڑو ۔
۳۵- جَاهِدُوْا اَهْوَائَكُمْ كَمَا تُجَاهِدُوْنَ اَعْدَائَكُمْ	اپنی نفسانی خواہشات کا اسی طرح مقابلہ کرو جس طرح تم اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہو ۔

۳۶- حُجِبَتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَ حُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ

جہنم شہوات کے نیچے چھپی ہے اور جنت مشکل کام کرنے کے نیچے چھپی ہے۔

۳۷- اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمُ الْاَخْلَاقَ كَمَا قَسَمَ بَيْنَكُمُ الْاَرْزَاقَ

اللہ تعالیٰ نے تم میں اخلاق کو اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح ارزاق کو تمہارے درمیان تقسیم کیا ہے۔

۳۸- خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ

لوگوں میں سے بہترین مرد وہ ہے جو دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۳۹- اِنَّ اَكْرَمَ النَّاسِ اَتْقَاهُمْ

لوگوں میں سے مکرم اور معزز وہ ہے جو ان میں سے زیادہ متقی ہے۔

۴۰- لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا يَبْغِيْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ بَلْ كُوْنُوْا يَا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور نہ ہی باہمی بغض رکھو چاہئیے کہ تم ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

۴۱- لَا يُقَدِّسُ اللّٰهُ اُمَّةً لَا يَأْخُذُ

اللہ تعالیٰ ایسی قوم پر برکات نازل نہیں کرتا جس کا کمزور

	اَلضَّعِيفُ حَقُّهُ مِنَ الْقَوِيِّ	فرد ایک قوی سے اپنا حق نہیں لے سکتا -
۴۲-	كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَا يَانِفُ اَنْ يَمْشِيَ مَعَ الْاَرَامِلِ	حضور نبی کریم ﷺ بیوہ اور نادار عورتوں کے ساتھ چلنے کو برا نہ مناتے تھے -
۴۳-	اِنَّهُ كَانَتْ اَمَةٌ مِنْ اِمَاءِ الْمَدِيْنَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللهِ وَ تَنْطَلِقُ بِهِ اِلٰى حَيْثُ شَاءَتْ فِي حَاجَتِهَا	مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی رسول اللہ کا ہاتھ پکڑ لیتی اور حضور کو جہاں چاہتی اپنے کام کے سلسلہ میں لے جاتی -
۴۴-	كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ كَهَاتَيْنِ	حضرت نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ میں اور یتیم کا نگہبان اکٹھے ہونگے جیسے میری یہ دو انگلیاں اکٹھی ہیں -
۴۵-	اِنَّ اَوَّلَ شَيْءٍ خَلَقَهُ اللهُ اَلْعَقْلُ	سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ عقل ہے -
۴۶-	لَا نَدِمَ مَنْ تَشَاوَرَ	جسنے مشورہ کر لیا اُسے ندامت لاحق نہ ہوگی -

۴۷- مَا تَشَاوَرَ قَوْمٌ اِلَّا وَهُدُوْا اِلٰى اَرْشَدِ اَمْرِهِمْ

جب قوم مشورہ کرلیتی ہے تو اسے اس کے امور میں صحیح راستہ کی طرف راہنمائی ہو جاتی ہے۔

۴۸- مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ

جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے چاہئے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

۴۹- طَعَامُ الْبَخِيْلِ دَاءٌ

بخیل کے ہاں کا کھانا بیماری ہے۔

۵۰- لَمَّا جَآءَ وَفْدُ النَّجَاشِيِّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَقَالَ اِنَّهُمْ كَانُوْا لِاَصْحَابِنَا مُكْرِمِيْنَ فَاِنِّيْ اُحِبُّ اَنْ اُكَافِئَهُمْ

جب شاہ نجاشی کا وفد آیا تو حضرت نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا یہ لوگ ہمارے دوستوں کے ساتھ تعظیم سے پیش آئے تھے میں پسند کرتا ہوں کہ میں ان کو ان کا بدلہ دوں۔

۵۱- بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلَى النَّظَافَةِ

اسلام کی بنیاد نظافت پر رکھی گئی ہے۔

۵۲- اَلسِّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ وَمَرْضَاتٌ لِلرَّبِّ

مسواک کرنا منہ کو پاکیزہ کردیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہو جاتا ہے۔

۵۳- مَنْ یَسْتَعْفِفْ یُعِفَّهُ اللّٰهُ

جو سوال کرنے سے بچتا ہے خدا اسکو ذلت سے بچاتا ہے -

۵۴- مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ

جو اللہ کے لئے انکساری اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے عزت بخشتا ہے -

۵۵- مَا یَزِیْدُ عَبْدًا بِالْعَفْوِ اِلاَّ رِفْعَةً

عفو کے اختیار کرنے سے آدمی کی عزت بڑھتی ہے -

۵٦- اِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ

بڑے مدارج کا ملنا مشکل کام کے کرنے سے وابستہ ہے -

۵۷- مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً خَیْرًا وَّاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ

صبر سے بڑھکر کوئی دولت نہیں جو کسی کو نصیب ہو

۵۸- مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یُبْسَطَ لَهٗ رِزْقُهٗ اَوْ یُنْسَاَ لَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ

جسے پسند ہو کہ اُسکا رزق بڑھ جائے اور اُسکی عمر لمبی ہو چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے -

گورنر یمن کو فرمایا :-

٥٩- اِیَّاکُمْ وَکَرَائِمَ اَمْوَالِهِمْ اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَیْسَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ اللهِ حِجَابٌ اِیَّاکُمْ وَالْمَعْصِیَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِیَةِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ

اُن کے عمدہ اموال کے هڑپ کرنے سے بچنا ۔ مظلوم کی آہ سے بچنا ۔ کیونکہ اسکی آہ اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ۔ خدا کی نافرمانی سے بچنا ۔ کیونکہ معصیت سے خدا کا عذاب نازل هوتا ہے ۔

٦٠- اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰی وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ

انبیاء علاتی بھائی هوتے هیں ۔ اُن کی مائیں تو مختلف هیں لیکن اُن کا دین ایک هی ہے۔

٦١- مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ یَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ

جو معاهد کو قتل کر دے وہ جنت کی خوشبو تک سے محروم رهیگا ۔

مصر کی غیرمسلم رعایا یعنی عیسائیوں کے بارے میں فرمایا :-

٦٢- سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرًا سْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَیْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمًّا وَرَحِمًا

ایک وقت آئیگا کہ تم مصر فتح کر لوگے وهاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا کیونکہ وہ ذمی هیں اور رحمی تعلق دار بھی هیں ۔

اس حکم کی روشنی میں حضرت عمر نے فرمایا :—

اُوْصِيهِ بِذِمَّةِ اللهِ وَ ذِمَّةِ رَسُولِهِ اَنْ يُوَفَّى لَهُمْ بِعَهْدِهِمْ وَ اَنْ يُقَاتَلَ مِنْ وَرَائِهِمْ وَاَنْ لَا يُكَلَّفُوْا اِلَّا طَاقَتَهُمْ

میں ذمیوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے متعلق جو عہد اللہ اور اسکے رسول کا ہے - اُسے پورا کیا جائے اور اُن کی حفاظت کی خاطر جنگ کی جائے اور ان کی طاقت سے بڑھکر ان سے خدمت نہ لی جائے۔

۶۳- اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهَا فَانْتَظِرُوا السَّاعَةَ

جب کوئی ذمہ داری کسی نا اہل آدمی کے سپرد کر دی جائے تو بربادی کے منتظر ہو جاؤ -

۶۴- لَا رَهْبَانِيَّةَ فِى الْاِسْلَامِ

اسلام میں رہبانیۃ (یعنی دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں چلا جانا) جائز نہیں -

۶۵- اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَ بَيْنَهُمَا الْمُشْتَبِهَاتُ فَمَنِ اتَّقَى الْمُشْتَبِهَاتِ اسْتَبْرَاءَ لِدِيْنِهِ وَ عِرْضِهِ

حلال ظاهر اور واضح ہے اور حرام بھی بین ہے اور اُن دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہوتے ہیں پس جو اُن مشتبہ امور سے بچا رہا اُس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا -

دعا کی :۔

٦٦۔ اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِیْعَ قَلْبِیْ

اے میرے مولا میں تیرے حضور التجا کرتا ہوں کہ تو قرآن کریم کو میرے دل کی بہار بنا دے۔

فرمایا :۔

٦٧۔ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب یعنی قرآن مجید کے ذریعے قوموں کو بلند کرتا ہے اور جو اسکی تعلیمات کو ترک کر دے ان کو ذلیل کرتا ہے۔

٦٨۔ مَنْ بَطَیَٔ عَمَلُہٗ لَمْ یُسْرِعْ بِہٖ نَسَبُہٗ

جو عمل میں سست رہا اسکا نسب اسے آگے نہیں بڑھا سکتا۔

٦٩۔ مَا الْاِسْلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یا رسول اللہ اسلام کیا ہے

فرمایا:۔

اَلْعَظَمَۃُ لِاَمْرِ اللّٰہِ وَالشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ

امر الٰہی کی عظمت کا دل میں بٹھانا اور اللہ کی مخلوق سے ہمدردی اور شفقت سے پیش آنا

٧٠۔ مَا الْاِحْسَانُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

یا رسول اللہ احسان کیا ہے

فرمایا :۔

تو اپنے رب کی عبادت کرے اس حال میں کہ گویا تو اسے

أَنْ تَعْبُدَ رَبَّكَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

دیکھ رہا ہو۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

٧١- مَرَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحًا وَكُلُوْهَا صَالِحًا

حضور ایک اونٹ کے پاس سے گزرے اس کا پیٹ پیٹھ سے جا لگا تھا۔ فرمایا ان چارپایوں کے معاملہ میں اللہ کا خوف کرو ان پر سواری کرو اس حالت میں کہ وہ تندرست ہوں اور ان کا گوشت بھی اس حالت میں کھاؤ جب کہ وہ توانا و تندرست ہوں۔

٧٢- عَنْ أَنَسٍ كُنَّا إِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلًا لَا نُسَبِّحُ (ای لَا نُصَلِّیْ) حَتّٰى تُحَلَّ الرِّحَالُ أَيْ إِنَّا مَعَ حِرْصِنَا عَلَى الصَّلَاةِ لَا نُقَدِّمُهَا عَلٰى حَطِّ الرِّحَالِ وَإِرَاحَةِ الدَّوَابِ

انس رض سے روایت ہے کہ جب ہم کسی منزل پر ڈیرا لگاتے تو فوراً ہی نماز ادا کرنے کی طرف نہ دوڑتے یہاں تک کہ پالانوں کو اونٹوں پر سے اتارا جاتا۔ یعنی باوجود اس کے کہ ہم نماز پڑھنے میں رغبت رکھتے ہم اس کو ادا نہ کرتے یہاں تک کہ پالانوں کو نہ اتار لیتے اور چارپایوں کو آرام نہ پہنچا لیتے۔

۷۳- اِنَّ اَعْدَى عَدُوِّكَ فِىْ جَنْبِكَ

تمام دشمنوں سے بڑھ کر دشمن تیرے پہلو میں ہے۔

۷۴- اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ

عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو ماتحت رکھے۔

۷۵- اِنَّ اَعْرَابِيًّا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ وَيُقَاتِلُ شُجَاعَةً وَ يُقَاتِلُ حَمِيَّةً فَمَنْ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ فَقَالَ مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللهِ هِىَ الْعُلْيَا

ایک اعرابی نے حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا بعض لوگ ایسے ہیں جو مال غنیمت کے حصول کے لئے لڑائی لڑتے ہیں بعض وہ ہیں جو بہادری کے جوہر دکھانے کے لئے لڑتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو قومی عزت کیلئے لڑتے ہیں اس میں سے فی سبیل اللہ لڑنے والا کون ہے۔ حضور نے فرمایا فی سبیل اللہ لڑنے والا وہ ہے جو محض خدا کی بات کو غالب کرنے کے لئے لڑتا ہے۔

جہاد کرو تو محض رضائے الٰہی تمہارا مقصود ہو۔ مال غنیمت تمہارا مطلوب نہ ہو اور نہ ہی شہرت کا حصول۔ اس ضمن میں ذیل کا واقعہ سامنے رکھا جائے۔ میدان جنگ میں مِدْعَم کو تیر لگا اور وہ مر گیا۔ اس پر

۷۶- فَقَالَ النَّاسُ هَنِيْئًا لَّهُ

لوگوں نے کہا شہادت تیرے لئے مبارک ہو شہادت مبارک

الشَّهَادَةُ هَنِيئًا لَهُ الشَّهَادَةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ اَنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي اَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْغَنَائِمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمِ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا

ہو۔ اس پر حضور نے فرمایا اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ خیبر کے دن جو ایک چادر اس نے غنیمت کے اموال میں سے تقسیم سے پہلے ہی اٹھا لی تھی۔ وہ آگ بن کر اس پر شعلہ زن ہوگی۔

۷۷۔ اَمَرَهُمْ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ

حضور نے انہیں وفاء عہد اور امانت کے ادا کرنے کا ارشاد فرمایا۔

۷۸۔ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهَا فَاِنَّهُ غُلُوْلٌ

جس کو ہم عامل مقرر کریں اور وہ سوئی برابر چیز یا اس سے بھی ادنیٰ چیز چھپا کر لے لے تو ایسا کرنا بد دیانتی ہے۔

۷۹۔ لَا تُطْرُوْنِي كَمَا اَطَرَتِ النَّصَارٰى عِيسٰى بْنَ مَرْيَمَ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللهِ وَرَسُوْلُهُ

میری مدح میں مبالغہ نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی مدح کرتے ہوئے مبالغہ کیا ہے۔ مجھے صرف کہو اللہ کا فرمانبردار بندہ اور اسکا رسول۔

۸۰- اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ عِلْمًا یَنْفَعُنِیْ وَعَمَلًا یَرْفَعُنِیْ

اے میرے مولا مجھے وہ علم عطا فرما جو مجھے نفع بخشے اور مجھے وہ عمل بجا لانے کی توفیق عطا فرما جو مجھے رفع اور بلندی بخشنے والا ہو۔

۸۱- اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا

عورتوں سے بھلائی کا سلوک کرنا۔

۸۲- لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرْعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ

مضبوط آدمی وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑتا ہے بلکہ مضبوط شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھتا ہے۔

۸۳- وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ

جان رکھو کہ جنت تلوار کے چھاؤں تلے ہے۔

۸۴- اِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُمَا كُنْتَ

خدا کا خوف اختیار کرو جہاں کہیں تم ہو۔

۸۵- اِنَّ الْاَمَانَةَ نَزَلَتْ فِیْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ

امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائی میں اتری ہے۔

۸۶- لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ

تونگری کثرۃ دولت کی وجہ

وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ — سے نہیں بلکہ امیر وہ ہے جس کی طبیعت میں غناء ہو -

۸۷- وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ — بخل سے بچنا - کیونکہ بخل کے باعث وہ جو تم سے پہلے تھے ہلاک ہو گئے -

۸۸- كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ — ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرۃ صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے -

۸۹- مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا — جس نے ہمیں دھوکا دیا اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں -

۹۰- لَا يَحْمِلَنَّكُمُ الْفَقْرُ عَلٰى اَكْلِ الْحَرَامِ — مفلسی تمہیں حرام کھانے پر مجبور نہ کر دے -

۹۱- خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ بِاَهْلِهِ — تم میں سے بہتر وہ مرد ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے -

۹۲- اَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهُ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ — اُس کی دعا کیسے قبول ہو اُسکا کھانا حرام کا ہے اور اسکا لباس حرام کا ہے -

٩٣- دَعْ مَا يُرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ

اُسے چھوڑ دے جو تجھے شبہ میں ڈالتا ھے اسے لینے کے لئے جو تجھے شبہ میں نہیں ڈالتا ۔

٩٤- اِنَّ اللّٰهَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ يَّاتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ تعالی غیرت کرتا ھے ۔ اور اللہ کو اس بات پر غیرت آتی ھے کہ ایماندار شخص وہ کام کرے جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ھے ۔

٩٥- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَقَلْبٍ لَا يَخْشَعُ

اے میرے مولا میں تجھ سے پناہ مانگتا ھوں ایسے علم سے جو سود مند نہ ھو ۔ اور ایسے قلب سے جو خشیت اللہ سے خالی ھو ۔

٩٦- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ

اے میرے مولا میں تجھ سے پناہ مانگتا ھوں کمزوری سے اور سستی سے اور بزدلی سے اور بخل سے ۔

٩٧- مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا

وہ جو استغفار پڑھنے میں مداومت اختیار کریگا اللہ تعالی اسے ہر مشکل اور تنگی سے نجات دینے کے لئے سامان پیدا کردیگا ۔

۹۸- مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلاَحَ فَلَيْسَ مِنَّا

جس نے ہمارے خلاف جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

۹۹- رَجُلٌ اِسْتَأجَرَ اَجِيراً فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ اَجْرَهُ اَنَا خَصْمُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وہ شخص جس نے کسی مزدور کو کام میں لگایا اور اس سے پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت اس کو نہ دی میں قیامت کے دن اسکے حق میں جھگڑا کرونگا۔

۱۰۰- لاَ تُظْهِرِ الشَّمَاتَةَ لاَخِيْكَ فَيَرْحَمَهُ اللهُ وَيَبْتَلِيكَ

اپنے بھائی کی مصیبت پر خوشی کا اظہار نہ کر اللہ تعالیٰ اس پر رحم کریگا اور تجھے مصیبت میں ڈالدیگا۔

۱۰۱- اِنَّ اُمَّ سَلْمَةَ رضؓ وَاُمَّ حَبِيْبَةَ رضؓ اَتَتَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشِ فَذَكَرَتَا مِنْ حُسْنِ كَنِيسَتِهَا وَتَصَاوِيْرِهَا فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ رَأْسَهُ فَقَالَ لَعَنَ اللهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارىٰ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِداً لاَتَجْعَلُوا قَبْرِيْ وَثَنًا يُعْبَدُ

اُم سلمہ رضؓ اور اُم حبیبہ رضؓ حبش سے آئیں تو انہوں نے عیسائیوں کے گرجا کی خوبصورتی اور اس میں تصاویر کی دلکشی کا ذکر کیا۔ حضور نے اپنا سر اُٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ پر لعنت کی ہے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد یعنی معبد بنا لیا۔ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش کی جائے۔

حدیث قدسی

حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں راوی خدا ہو۔

یَا عِبَادِیْ اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُکُمْ اُحْصِیْهَا لَکُمْ ثُمَّ اُوَفِّیْکُمْ اِیَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَیْرًا فَلْیَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَیْرَ ذَالِكَ فَلَا یَلُوْمَنَّ اِلَّا نَفْسَهٗ

یہ حدیث قدسی قرآن کریم کی اس آیت کے مضمون کے موافق ہے :—

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ○

مَا لِعَبْدِیْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَآءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ۔

یعنی میرا بندہ مومن جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جب میں اس کی دنیا کی سب سے پیاری چیز لے لیتا ہوں۔ تو وہ صبر کرتا اور اس

کو رضائے الٰہی کا موجب سمجھتا ہے۔

يَقُوْلُ اللّٰهُ يَا فُلَانُ اِنِّيْ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ يَا

رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ

اَوَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِيْ فُلَانٌ مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ وَلَوْ

عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ وَيَقُوْلُ يَا

فُلَانُ اِنِّيْ اِسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ فَيَقُوْلُ

الْعَبْدُ يَارَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ

فَيَقُوْلُ اَوَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِيْ فُلَانٌ اِسْتَطْعَمَكَ

طَعَامًا فَلَمْ تُطْعِمْهُ وَلَوْ اَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَالِكَ

عِنْدِيْ وَيَقُوْلُ يَا فُلَانُ اِنِّيْ اِسْتَقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ

فَيَقُوْلُ الْعَبْدُ يَا رَبِّ كَيْفَ اَسْقِيْكَ وَاَنْتَ رَبُّ

الْعَالَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اَوَمَا عَلِمْتَ اِنَّ عَبْدِيْ فُلَانٌ

اِسْتَسْقَاكَ فَلَمْ تَسْقِه وَ لَوْ اَسْقَيْتَهٗ لَوَ جَدْتَ ذَالِكَ عِنْدِیْ۔

ترجمہ ۔ اللہ تعالیٰ کہیگا اے فلاں میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہ کی ۔ وہ عبد کہیگا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کر سکتا تھا ۔ تو رب العالمین ہے ۔ اللہ تعالیٰ کہیگا کیا تو نہیں جانتا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اُس کی عیادت نہ کی اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا ۔ خدا کہیگا اے فلاں میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا ۔ وہ بندہ کہیگا اے میرے رب میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا تھا تو رب العالمین ہے ۔ اللہ تعالیٰ کہیگا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے اُسے نہ کھلایا اور اگر تو اُسے کھلاتا تو تو اس کھانے کو میرے پاس پاتا ۔ خدا کہیگا اے فلاں میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے نہ پلایا وہ بندہ کہیگا اے میرے رب میں تجھے کس طرح پانی پلا سکتا تھا تو رب العالمین ہے ۔ وہ کہیے گا کیا تو نہیں جانتا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا اور تونے اُسے نہ پلایا اگر تو اُسے پلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا ۔

یہ حدیث قدسی مندرجہ ذیل آیات کی تفسیر ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ۝ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ
وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝
الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ
وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ (۱۰۷ : ۱-۷)

ان روشن اور معقول اور مفید احادیث کو رد کر دینے کا حوصلہ کس کو ہو سکتا ہے۔ منکرین حدیث کے لئے ان احادیث میں ان کے رکیک اور غیر معقول اور ضرر رساں خیالات کی پر زور تردید ہے۔ ان احادیث کی روشنی میں ان کو اپنے خیالات کی اصلاح کر لینا چاہئے۔

حضور کے فیصلہ جات کو خوش دلی سے مان لینے کا حکم

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ
يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (۴ : ٦٥)

اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کے لئے حضور نبی کریم ﷺ کا فیصلہ

ماننے اور حضور کے فیصلہ جات پر تنگی محسوس نہ کرنے کا حکم ہے۔ بلکہ حضور کے فیصلہ جات کو خوش دلی اور اخلاص سے مان لینے اور ان فیصلہ جات کے سامنے سر جھکانے اور ان پر پورے طور پر علمدرآمد کرنے کا حکم ہے اور ان امور پر جس کا عمل نہ ہو۔ اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے۔ کہ وہ ایماندار نہیں ہے۔ اگر منکرین حدیث اس آیت کریمہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔ تو ضرور ہے کہ اس نتیجہ پر پہنچیں۔ کہ خدا کے احکام کے علاوہ رسول کے احکام بھی ہوتے ہیں اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے احکامات و فیصلہ جات کا عملاً پورا پورا پابند نہ ہو۔ وہ خدا کی نگاہ میں ایماندار نہیں ہے اطیعوا الرسول کا مفہوم تو متعدد بار واضح کر دیا گیا ہے لیکن اس آیت کریمہ نے اس مفہوم کو اور بھی آشکارا کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے دو حکم دے رکھے ہیں۔ یعنی خدا کے احکام کی پابندی کرو اور خدا کے رسول کے احکام کی بھی پابندی کرو اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کی پابندی کرنے کے لئے تمہارے دلوں میں اخلاص ہو اور اس اخلاص کا اظہار تمہاری عملی فرمانبرداری میں ہو اور جب تک تمہارے دلوں میں اور تمہارے اعمال میں حضور نبی کریم ﷺ کی عظمت و توقیر نہ ہو۔ تمہارے متعلق یہ فتویٰ ہوگا۔ کہ تم ایماندار نہیں ہو۔ خدا تعالیٰ نے یوں

تو ہر رسول کی اطاعت کرنا فرض قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا :۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ

یعنی ہر رسول کے متعلق خدا تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ لیکن محمد رسول اللہ کی اطاعت کرنے پر بہت شد ومد سے زور دیا ہے۔ ان کی توقیر کرنا۔ ان کا زور بازو بننا فرض قرار دیا گیا ہے۔ حضور کی اس توقیر بھری اطاعت کا اقرار پہلے پیغمبروں کی امتوں سے لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ان کی علو شان کا اظہار کرنے کے لئے اور ان کی تعظیم بھری اطاعت کے لئے ان کو حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل بھی ان پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کرنا موجب فلاح یقین کریں۔ غرضکہ حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا اور خدا کے احکامات کے علاوہ ان کے ارشادات پر ایمان لانا اور ان پر کاربند ہونا مسلمانوں کی ایمانیات کا جزو اعظم ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں۔ تو ان کا شمار مومنین میں نہ ہوگا۔

حضور ﷺ کی رسالت کی اہمیت

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نیز فرمایا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضور سرور کائنات ﷺ کی رسالت کو

اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی جان کی حفاظت اپنے ذمے لگا لی اور حضور کو تسلی دی۔ کہ جب تک آپ طبعی عمر کی آخری حد تک نہ پہنچ جائیں۔ دشمن آپ کو قتل نہ کر سکیں گے جیسا کہ فرمایا :—

وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

اور فرمایا :—

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ

یہ سب کچھ محض اس لئے تھا کہ تا دین کی تبلیغ بتمام و کمال سر انجام پا جائے۔ ورنہ موت تو حضور ﷺ کے لئے مقدر تھی ہی جیسے ہر نبی کے لئے مقدر تھی۔ رسالت میں احکام الٰہی کی تبلیغ کے علاوہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کی تبلیغ بھی شامل تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اور جیسا کہ

يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ

میں حضور کے ارشادات کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ کہ حضور کے سپرد صرف

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ

کا فریضہ نہ تھا۔ بلکہ قرآن کے معانی و معارف بیان کرنا اور قرآن

حکیم کی تعلیمات کی حکمت بیان کرنا بھی آپ کے ذمے ایک فریضہ تھا اور ان احکام کی تعمیل کے علاوہ قوم کے اندر اپنی تلقین سے اور اپنے عمل اور اپنے اسوہ حسنہ سے تزکیہ و طہارت پیدا کرنا بھی آپ کے ذمہ تھا۔

احادیث کی حفاظت

ان فرائض کی ادائیگی کے متعلق جو ارشادات یا احادیث حضور کی زبان سے صادر ہوئیں۔ ان کی حفاظت بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ علاوہ ازیں احکام الٰہی کی تبلیغ اور حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات یا احادیث کی تبلیغ کی پختگی کے لئے ملک کے طول و عرض سے ہر قبیلہ کے قابل اشخاص حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ تاکہ حضور کے فیض صحبت سے اور حضور ﷺ کی تعلیمات اور حضور کے اخلاق فاضلہ سے مستفیض ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں لکھا ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ (۹ : ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت حضور نے قرآن کریم کے احکام اور اپنے کلمات طیبات کو عرب کے اطراف و اکناف میں پہنچانے کا انتظام کر رکھا

تھا ۔ یہ لوگ قرآن کریم کی تفسیر بھی سیکھتے تھے اور حضور ﷺ کے انفاس طیبہ کی برکت سے اپنے نفوس کا تزکیہ بھی کرتے تھے اور اس طرح وہ ظاہری و باطنی علوم اور عرفان اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاتے تھے اور ان سے ان کے قبیلہ کے لوگ حضور نبی کریم ﷺ کے علوم و اخلاق کے متعلق نہایت دلچسپی سے اور عقیدت مندی اور اخلاص سے باتیں سنتے تھے اور اس طرح دین اسلام جو احکام الٰہی اور احادیث نبویہ پر مشتمل ہے سارے ملک کی فضا میں رچ گیا تھا ۔ اس نہایت مضبوط اور مؤثر انتظام کے علاوہ تبلیغ کا ایک مستقل انتظام بھی تھا ۔ وہ اصحاب صفہ کے رنگ میں تھا ۔ یہ لوگ دن رات حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے اور حضور ان میں سے حسب ضرورت مبلغین منتخب کرکے مختلف مقامات پر ارسال کرتے تھے ۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اہل مدینہ کے لئے بطور مبلغ بھیجے گئے تھے ۔ ان کے ذریعہ سے ان ستر انصاریوں کے علاوہ جنھوں نے بیعت عقبہ کا شرف حاصل کیا تھا ۔ مدینہ طیبہ کے بہت سے معززین نے اسلام قبول کیا تھا ۔ سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے سردار تھے اور سعد بن عبادہ جو قبیلہ خزرج کے سردار تھے ۔ مصعب بن عمیرؓ کی بدولت مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور ان سرداروں

کے اثر سے دونوں قبیلے بھی اسلام میں داخل ہوگئے تھے -

منکرین حدیث ان تمام انتظامات اور اہتمامات سے آنکھیں بند رکھتے ہیں اور ان تمام حقائق اور شواہد کو نظر انداز کر دیتے ہیں یہ حق پرستی اور دیانت داری کے سراسر خلاف ہے - یہ تو تعلیمات قرآنیہ کی دیدہ دلیری اور بیباکی سے خلاف ورزی کرنا ہے -

دین کی تبلیغ اور نشرو اشاعت کا یہ انتظام اس لئے بار آور ہوا کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ تھا - کہ یہ دین زندہ رہے اور اس انتظام کو خدا تعالیٰ نے ایسا با برکت کیا - کہ آئمہ حدیث نے اس سے فائدہ اٹھا کر احادیث پر مبسوط کتابیں تصنیف کیں اور پھر محدثین نے ان کی شروح لکھیں اور اسماء الرجال پر کتابیں مرتب کیں اور اس طرح سے دین متین نہایت مضبوطی اور نہایت ثقاہت سے اکناف عالم میں پھیل گیا - چودہ صدیوں سے وہی دین اسلامی دنیا میں رائج ہو رہا ہے - جس کی تبلیغ و تلقین حضور نبی کریم ﷺ نے کی تھی - مفسرین نے قرآن کریم کی تفسیر لکھتے وقت ان تمام خزانوں سے استفادہ کیا اور قرآن کریم کے بعض حصص کو ان احادیث نبویہ کی مدد سے حل کیا اور منکرین حدیث بھی انہی تفاسیر کی مدد سے قرآن کریم کے مطالب سمجھنے کے قابل ہوتے ہیں اور ہم منکرین حدیث کو ہر وقت چیلنج دینے کے لئے تیار ہیں - کہ وہ

ان تفاسیر اور ان احادیث سے استفادہ کئے بغیر قرآن کریم کے معانی بیان کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے - ہم ہر وقت اس بات کو ثابت کرنے کے لئے تیار ہیں - کہ ان کی بیان کردہ تفسیر کے ماخذ آئمہ تفسیر اور آئمہ حدیث کی تصنیفات ہیں - باوجود اس کے ان لوگوں کی زبان پر جسارت کے یہ کلمات بھی جاری رہتے ہیں - کہ سلف صالحین کی کتب کسی قدر و منزلت کی حامل نہیں ہیں - یہ لوگ اپنی اس ذہنیت کا ایمانداری سے جائزہ لیں اور فیصلہ دیں کہ آیا وہ ان بزرگان دین سے لگا کھا سکتے ہیں جنہوں نے نہایت عرقریزی اور اخلاص سے یہ تصانیف تیار کر کے دین متین کی روشن کی اور ٹھوس خدمات سرانجام دیں - یہ لوگ کس برتے اور کس حوصلہ اور کس علم کی بناء پر اپنی فضیلت اور فوقیت ان آئمہ دین پر جتانے کی کوشش کرتے ہیں -

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ سِوَی الْقُرْآنِ

ایک طرف تو منکرین حدیث کے نزدیک احادیث نبویہ کی صرف تاریخی حیثیت ہے - لیکن دوسری طرف وہ لوگ

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ سِوَی الْقُرْآنِ

کو نہایت ہی قابل اعتبار اور یقینی طور پر متحقق اور مستندیقین کرتے ہیں - یہ اسلئے ہے کہ یہ حدیث ان کے خیال میں ان کے

مطلب کی ھے - اور اسکی رو سے ان کا مقصد حاصل ھوتا ھے - اصل میں ان کا یہ خیال قلت تدبر کا نتیجہ ھے - اگر اس حدیث میں یہ حکم دیا گیا تھا - کہ میری حدیث کو مت لکھو - تو ظاھر ھے - اس میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میری حدیث کی تبلیغ نہ کرو - اگر ایسا ھوتا تو

یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

کا مقصد پورا نہ ھوتا - حضور قرآن کریم کے معانی اور اسکی تفسیر اپنے الفاظ میں بیان فرماتے تھے - انہیں ارشادات کا نام حدیث ھے - قرآن کے احکام کے علاوہ تمام وہ لوگ جو مدینہ میں درس و تدریس کی غرض سے آتے تھے - واپس جا کر اپنی اپنی بستیوں میں احکام الٰہی اور احادیث نبوی کی تبلیغ کرتے تھے - اور اصحاب الصفہ اور مہاجرین و انصار جو ھمیشہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے مستفیض ھوتے تھے - وہ بھی احادیث بیان کرتے تھے - مصعب بن عمیر رض اور ان کے علاوہ جسقدر مبلغین تھے وہ بھی احادیث بیان کرتے تھے - حجۃالوداع کے موقعہ پر حضور کا یہ ارشاد

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ

کہ میری تلقین کو ان لوگوں تک پہنچا دو جو موجود نہیں ھیں - نہایت واضح طور پر ظاھر کرتا ھے - کہ حدیث کا بیان کرنا منع نہ

تھا - بلکہ اسکی تبلیغ و اشاعت کا حکم تھا - اسی لئے حضرت علیؓ نے فرمایا

اِذَا حَدَّثْتُکُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہ ﷺ لَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَآءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَکْذِبَ عَلَیْہِ

کہ میں جب آپ لوگوں کے سامنے حضور کی حدیث بیان کرتا ہوں - تو اس بات کی احتیاط کرتا ہوں - کہ حدیث بیان کرنے میں کذب بیانی نہ ہو - کذب بیانی کا ارتکاب کرنے سے بہتر ہے - کہ میں آسمان کی بلندی سے گروں تا کہ میرا نام و نشان نہ رہے -

حضرت علیؓ کے احساسات دینیہ اور ان کے تقویٰ کا تقاضا یہی ہونا چاہے تھا - جس کا اظہار انہوں نے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے - ان کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں - کہ وہ حدیث بیان کرتے تھے - اور حدیث بیان کرنے میں نہایت درجہ کے محتاط تھے - اگر ان کو حدیث بیان کرنیکی اجازت نہ تھی - تو احتیاط کرنے کے کیا معنے ؟ اور اگر حدیث بیان کرنے کی ممانعت تھی تو حضور کے اس ارشاد کے کیا معنے ؟

مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ

یعنی جو شخص ارادتاً غلط حدیث بیان کرے گا - اور اسکو میری طرف منسوب کرے گا - اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا - اگر حدیث بیان

کرنا ممنوع ہوتا - تو حدیث بیان کرنے کے متعلق اس قسم کی احتیاط کرنے کا حکم نہ دیا جاتا اور اگر حدیث کا بیان کرنا ممنوع نہیں تھا تو اسکا لکھنا کسطرح ممنوع ہو سکتا ہے - خود حضور نبی کریم ﷺ نے مقوقش اور ہرقل اور کسری کے نام خطوط لکھوائے تھے - یہ خطوط احادیث ہیں - احادیث کا لکھنا لکھانا کسی وجہ سے بھی ممنوع نہیں قرار دیا جا سکتا تھا -

الغرض حدیث بیان کرنا ممنوع نہیں ہے - بلکہ حدیث کا بیان کرنا اور اسکی اشاعت کرنے کیلئے حتمی حکم ہے - اس سے معلوم ہوا - کہ

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ سِوَى الْقُرْآنِ

کے حکم نے حدیث کا بیان کرنا اور لکھنا ممنوع نہیں قرار دیا تھا -

اس حدیث کی اصل حقیقت یہ ہے - کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کیلئے ہے - جو قرآن کریم کے کاتب تھے - اور وہ مقرر و متعین آدمی تھے - جیسے زید بن ثابت و ابی بن کعب و زبیر بن عوام و حنظلہ بن ربیع و عبداللہ بن رواحہ - ان کے سوا قرآن کریم کو اور کوئی شخص نہ لکھتا تھا - ان کاتبوں کو اگر حکم دیا جائے - کہ قرآن کے علاوہ میری حدیث کو مت لکھو - تا کہ قرآن اور حدیث مخلوط نہ ہو جائیں - تو یہ حکم احتیاط کا پہلو لئے ہوئے ہے - ورنہ

اس حکم کی رو سے کسی شخص کا حدیث یاد کر لینا یا حدیث کی اشاعت کرنا یا حدیث کا لکھ لینا قطعاً ممنوع نہیں ہے - بھلا وہ حق و حکمت کی بات جس کا یاد کر لینا ممنوع نہ ہو - اور جسکی نشر و اشاعت ممنوع نہ ہو - اس کا لکھ لینا کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے - اگر ایسا کرنا ممنوع ہوتا تو آئمہ حدیث کبھی بھی جرأت نہ کرتے - کہ احادیث کی کتب تصنیف کریں - انہوں نے احادیث کا لکھنا نہایت ہی اہم فریضہ سمجھا ہوا تھا - اسی لئے انہوں نے محنت شاقہ سے اور اخلاص سے کتب احادیث تیار کیں - تا کہ دین متین کی حقیقت محفوظ کر دیجائے - اور اس کو لوگوں تک پہنچا دیا جائے - دنیا جہان کے مسلمان ان بزرگوں کے مرہون منت ہیں - جن کی بدولت دین اسلام مسلمانوں تک پہنچا - ان لوگوں نے

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّیْ سِوَى الْقُرْآنِ

کے وہ معنے درست قرار نہ دیئے - جو معنے تمنا صاحب - اسلم صاحب یا پرویز صاحب نے اختراع کئے ہیں اور جو نہایت ہی فاسد ہیں ؎ ائمہ دین نے تحقیق و تنقید کے فن کو اس حد تک مکمل کیا - کہ انہوں نے اسماء الرجال پر ضخیم کتابیں تصنیف کیں - اس فن کے متعلق تصانیف پیدا کرنا دنیا جہان کی کسی دوسری قوم کو نصیب نہ ہوا - اس فن نے مستشرقین سے خراج تحسین وصول کیا ہے - مسلمان کو اپنے

ائمہ دین کی تحقیق و تنقید پر فخر ہے۔ کہ انہوں نے اپنی عرقریزی سے اس فن کو کمال تک پہنچایا۔ اور اسکی روشنی میں اکثر حدیثوں کو قابل اعتبار قرار نہ دیا۔ منکرین حدیث بعض ساقط الاعتبار حدیثوں کو اپنے فاسد خیالات کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ جنکو ائمہ دین کی تحقیقات نے رد کر رکھا ہے۔ وہ کمزور حدیثیں بمنزلہ کھوٹے سکوں کے ہیں۔ جن کو حدیث کے قیمتی خزانہ سے نکال کر باہر پھینک دینے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن متعدد کھوٹے سکوں کی وجہ سے سارے کے سارے قیمتی خزانہ کو باہر نکال پھینکنے والا انسان کبھی بھی عقلمند نہ سمجھا جائیگا۔ بلکہ اسکو فاترالعقل یقین کیا جائیگا

منکرین حدیث کو قرآن کریم کے ان الفاظ کو سامنے رکھنا مفید ہو گا۔ جس میں اللہ تعالٰی نے حضور سرور کائنات کو

سِرَاجاً وَّ قَمَراً مُّنِیْراً

فرمایا ہے۔ جسطرح سے کائنات کیلئے سِراجاً وَّ قَمَراً مُّنِیْراً کے بغیر نہ روشنی آسکتی ہے اور نہ کسی قسم کی حیات وجود میں آسکتی ہے۔ اور نہ کسی قسم کی حیات قائم رہ سکتی ہے۔ اسی طرح روحانیات اور اخلاقیات کی کائنات میں حضور سرور کائنات کے بغیر کسی قسم کی روشنی کا وجود قائم نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ھی اسمیں کسی قسم کی حیات پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی لئے حضور کو سِراجاً وَّ قَمَراً مُّنِیْراً کہا

لِاَنَّهٗ یُنَوِّرُ الْقُلُوْبَ وَ لِاَنَّهٗ یُحْیِ قُلُوْبَ النَّاسِ

اور فرمایا :—

اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ

خدا کے کلام کو کسی شاعر کے کلام پر قیاس کرنا جائز نہ ہوگا۔ کہ وہ ایسا کلام استعمال کرے۔ جس میں مبالغہ ہو اور حقیقت کم ہو۔ خدائے قدوس کی ذات ایسے کلمات کے استعمال کرنے سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ خدا کے کلمات حق و حکمت پر مبنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی نسبت جو فرمایا ہے۔ کہ وہ انسانوں کے قلوب کو منور کرنے والا آفتاب ہے اور وہ انسانوں کے اندر حیات پیدا کرنے والا محی القلوب ہے یہ بالکل درست ہے۔ اگر مادی دنیا کے لئے ایک آفتاب ہے تو ایک آفتاب روحانی دنیا کے لئے بھی ہے۔ انسان جسم بھی رکھتا ہے اور روح بھی۔ جس طرح آفتاب اس کے جسم کی نشو و نما کے لئے ضروری ہے۔ اس طرح اسی کی روح کی نشو و نما کے لئے بھی ایک آفتاب کی ضرورت ہے۔ روح کا مقام و رتبہ اور قدر و منزلت جسم کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ روح کی وجہ سے انسان کو حیوان پر امتیاز و فوقیت حاصل ہے۔ پس وہ آفتاب جو روحانیات کی نشو و نما کے لئے ہے اس آفتاب سے کہیں زیادہ

مفید ہے اور کہیں زیادہ قدر و منزلت رکھتا ہے جو مادیات کی نشو و نما کرتا ہے۔ کائنات کا آفتاب روشنی اور حرارت کا سر چشمہ ہے۔ روحانیات کا آفتاب بھی رحمۃ للعالمین ہے اور سر چشمہ حیات ابدی ہے۔ اس کا فیض کبھی بھی منقطع نہ ہوگا فرمایا :۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ

نہ ان کا فیض منقطع ہوسکتا ہے اور نہ ان کا اجر منقطع ہو سکتا ہے۔* ان کو اللہ تعالیٰ نے الکوثر یعنی ہر چیز کی کثرت عطا کر رکھی ہے اور اسی بناء پر ان کو مقام محمود حاصل ہے اور اسی وجہ سے وہ

خاتم النبیین

*حاشیہ۔ بعض سائینسدان ختم نبوت کو قانون ارتقا کے خلاف یقین کرتے ہیں۔ حالانکہ ختم نبوت قانون ارتقاء کے خلاف نہیں ہے۔ یہ کائنات ایسی موجودات پر بھی مشتمل ہے جن میں قانون ارتقاء عمل پیرا ہوتا ہے اور ایسی موجودات پر بھی مشتمل ہے۔ جن میں ارتقاء کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ وہ مخلوقات و موجودات جن کو خدا تعالیٰ نے ابتدا ہی سے کامل مکمل کرکے تخلیق کیا ہے۔ ان میں ارتقا کے لئے کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً ہوا جو آکسیجن اور نائیٹروجن پر مشتمل ہے۔ ابتدا سے ہی کامل صورت میں

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

کے مصداق ہیں۔ اس نور کو مٹانے کی کوشش بے سود ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِؤُا نُوْرَ اللهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

اس شخص کی تحقیر کرنا جو مقام محمود پر متمکن ہے۔ اس کا درجہ اور رفعت کم کرنے کی کوشش کرنا جو رفعنا لک ذکرک کا مصداق ہے۔ اس کے سامنے بڑھ بڑھ کر بات کرنے کی جرأت کرنا۔ جس کے لئے حکم ہے۔

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ

پیدا کی گئی تھی۔ جب پہلا فرزند آدم پیدا ہوا تھا۔ تو اس کو زندہ رکھنے کے لئے اس کے پھیپھڑوں میں بالکل یہی ہوا پہنچی تھی۔ جو آج کے نہایت ترقی یافتہ فرزند آدم کے پھیپھڑوں میں جاتی ہے۔ دوسری چیز جو فرزند آدم کے لئے اس کی پیدائش کے وقت از بس ضروری تھی۔ وہ یا تو دودھ تھا یا پانی یا عرق کی کوئی قسم۔ پانی اور دودھ دونوں نے قانون ارتقا کے ماتحت کسی قسم کی ترقی نہیں کی پانی ابتدا میں ہی آکسیجن اور ہائیڈروجن کا مرکب تھا۔ آج بھی اس کی صورت یہی ہے۔ دودھ میں ابتدا سے زیادہ مقدار پانی کی ہے اور کافی حصہ کیلسیم کا اور کچھ حصہ شیرینی کا۔ نہ پانی میں ارتقاء

اس کے کلمات طیبات کے سامنے اپنے نظریات اور اپنے فتاوی بیان کرنا جس کے ادب و تعظیم و تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حتمی طور پر حکم دے رکھا ہے۔

لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

ذلت و ھلاکت کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صادر کردہ ان نصوص قرآنیہ کی نافرمانی کرنا موجب نقصان اور موجب مواخذہ ہے

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

کے قانون نے عمل کیا اور نہ ھی دودھ میں۔ کیونکہ ان کی تخلیق ابتدا ھی سے کمال کو پہنچی ہوئی تھی آدم کے فرزند کی حیات کے لئے ھوا۔ پانی اور دودھ کے علاوہ ایک اور چیز از بس ضروری تھی۔ وہ سورج کی تمازت اور اس کی روشنی تھی سورج کی روشني اور تمازت میں اس کے کمال کی وجہ سے کسی قسم کی ترقی نہیں ہوئی۔ یہ سورج عالم مادیات کی حیات اور نشو ونما کے لئے کافی ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے سورج کی حاجت نہیں ہے اور نہ ھی اس سے بڑھ کر روشنی و تمازت رکھنے والے کسی سورج کی حاجت ہے۔ اسی طرح سے اب عالم روحانیات کے اس آفتاب و ماھتاب کے بعد کسی دوسروے سورج کی حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کو کمال

اور فرمایا :—

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى . . . . وَ (نُهُوْا عَنْ) مَعْصِيَةِ الرَّسُوْلِ

یہ نص صریح ہے - کہ معصیت الرسول اور معصیۃ اللہ دو علیحدہ علیحدہ ارتکاب ہیں اور یہ دونوں موجب مواخذہ ہیں یہ موجب مواخذہ اس لئے ہیں - کہ اس گمراہ کن طریقہ کے اختیار کرنے سے خدا تعالیٰ کی مخلوق کو بہت نقصان پہنچتا ہے - پس ایسی تمام حرکات سے باز آنا اور

حاصل ہے اور کمال کے بعد قانون ارتقاء کام نہیں کرتا - اگر اس کائنات کے لئے کسی اور سورج کا آ موجود ہونا نا ممکن ہو تو اس صورت میں حضور نبی کریم کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے . حضور پر چونکہ دین کامل ہوگیا تھا - جیسا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

اس لئے حضور ﷺ خاتم النبیین ٹھہرے اور یہ امر مسئلہ ارتقاء کے خلاف نہیں ہے بلکہ کائنات کی تخلیق کے مطابق ہے - اسی لئے ہم حضور نبی کریم کے بعد کسی نبی کا مبعوث ہونا غیر ضروری یقین کرتے ہیں -

خاتم النبیین کا مفہوم اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے - کہ اب

باز رہنا چاهئیے - جن میں ان احکام الٰہی کی نافرمانی پائی جاتی ہو - تمنا صاحب - اسلم صاحب اور پرویز صاحب سنجیدگی سے ان آیات بینات پر غور کریں - اپنے اعمال کا جائزہ لیں - تو وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچینگے - کہ ہم نے ان نصوص قرآنیہ کو فراموش کر رکھا ہے ان نصوص سے بے اعتنائی اور غفلت برتنا خدا تعالیٰ کے مقابل پر بغاوت کا جھنڈا کھڑا کرنا ہے اور اپنے تئیں

اِتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْراً

کسی شخص پر احکام دین نازل نہیں ہوسکتے - کیونکہ دین کامل ہو چکا ہے - اور خاتم النبیین کا مفہوم اس حقیقت کو بھی آشکارا کرتا ہے - کہ جبرائیل وحی نبوت لے کر نازل نہیں ہوسکتا اگر جبرائیل ایک وحی نبوت بھی لے کر کسی شخص پر نازل ہو - تو وہ ایک نیا حکم ہوگا - اور اس کے نزول سے قرآن کریم کا یہ اعلان نعوذباللہ باطل ہو جائیگا - جو

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ

میں درج ہے - پس احکام شریعت کا نازل ہونا ممنوع ہے اور اسی طرح سے جبرائیل کا وحی نبوت لے کر کسی شخص پر نازل ہونا بھی ممنوع ہے - ان حقائق کے پیش نظر اب کسی نبی کا مبعوث ہونا امر

کا مصداق بنانا ہے اور زبان پر صرف اتباع قرآن کی گردان کو جاری کرنا ہے۔ جن لوگوں کے دلوں پر اتباع قرآن کی عظمت مسلط ہوتی ہے۔ ان کے اعمال میں اتباع قرآن کا رنگ نظر آتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے :—

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحیٰ اِلَیَّ

اور شدت سے اس پر عمل درآمد کرتے تھے۔ جب حضور نبی کریم ﷺ بادشاہ بن گئے۔ اس وقت بھی اپنے اقتدار اور سطوت و رعب کے

محال ہے۔ نبی وہ شخص ہوتا ہے۔ جس پر جبرائیل وحی نبوت لے کر اترے۔ اس امت کی تعلیم کے لئے اب کوئی ایسا شخص نہیں آ سکتا جو یہ دعویٰ کرے۔ کہ میرے اوپر جبرائیل وحی نبوت لے کر اترتا ہے۔ اس واسطے حضرت عیسیٰؑ اس امت کے لئے نہیں آ سکتے۔ کیونکہ نبی کی بعثت اس امر کو مستلزم ہے۔ کہ اس پر جبرائیل وحی نبوت لے کر نازل ہو۔ اگر ایک وحی نبوت بھی حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہو تو وہ ایک نیا حکم ہوگا۔ جو

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ

کے خلاف ہوگا اس لئے وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کا دوبارہ آنا تعلیمات قرآنیہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح سے ہم حضرت

باوجود نہ تو ان کے دماغ میں فتور پیدا ہوا اور نہ ہی پاؤں میں لغزش آئی - بلکہ

خُذُوْا مَآ اٰتٰیکُمْ

کی عملی تفسیر نظر آتے تھے - چنانچہ ایک دفعہ ایک قریشی عورت چوری کے الزام میں ماخوذ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئی - تو قوم نے بہت زور لگایا - کہ یہ عورت قریشی ہے - اس کو بچایا جائے اور اس

مرزا غلام احمد صاحب کو نبی نہیں مان سکتے - لیکن ہم جانتے ہیں - کہ ان کا دعویٰ نبوت کا نہ تھا - بلکہ ان کا دعویٰ مجددیت کا تھا - او وہ کہتے تھے - کہ لوگ افترا کے طور پر میری طرف دعویٰ نبوت منسوب کرتے ہیں - میں تو مدعی نبوت پر لعنت بھیجتا ہوں اور میں تو حضور نبی کریم کا غلام اور خادم ہوں اور حضور کا کفش بردار اور خاکپا ہوں حضور کے دین کی خدمت اور تجدید کرنا میرا فریضہ ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ باب وحی نبوت بالکل مسدود ہے - اس لئے اب کسی شخص پر جبرائیل وحی نبوت لے کر نازل نہیں ہو سکتا - ہاں وحی ولایت امت کے اولیاء پر نازل ہوتی ہے اور ان اولیاء میں سے میں ایک ہوں - اور اس وحی ولایت کا جاری رکھنا محض اس لئے ہے - تاکہ ایمان تازہ ہوتا رہے اور تاکہ دین متین کی تجدید و تائید ہوتی رہے -

طرح سے قوم کو ذلت اور رسوائی نصیب نہ ہو - سعی کو کامیاب بنانے کے لئے حضور ﷺ کے لاڈلے اسامہؓ کو سفارش کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا اور جب اسامہؓ نے حضور کے سامنے اس چوری کرنے والی عورت کی سفارش کی تو حضور ﷺ نے نہ تو اپنی قریش قوم کی رسوائی کا خیال کیا اور نہ ھی اپنے پیارے جرنیل اسامہ کے لحاظ یا رعایت کا خیال رکھا - بلکہ فرمایا :—

اَتَشْفَعُ فِیْ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰہِ

کیا تم خدا کی بیان کردہ حدود میں سفارش کرنے آئے ہو - تمہیں یہ کیسے جرأت ہوئی - اس سے عیاں ہوتا ہے - کہ حضور کے قلب مبارک میں کس حد تک قرآن کریم کی قدر و منزلت تھی اور کس حد تک قرآن کریم کے احکام پر اخلاص اور مضبوطی کے ساتھ عمل درآمد کرتے تھے اسی رنگ کا ادب اور احترام حضرت ابوبکر صدیق کے قول و فعل میں نظر آتا ہے - وہ خائف ہیں - کہ کہیں قرآن کریم کے احکام کو اپنی خواهشات کے ماتحت نہ کر لیا جائے - ان کی پکار ہے

اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِذَا قُلْتُ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ مَا لَا اَعْلَمُ

اگر قرآن کریم کے احکام کے متعلق کوئی ایسی بات کہدوں - جو بے

علمی پر مبنی ہو تو پھر میرے جیسے نابکار شخص پر کونسا آسمان سایہ افگن رہ سکتا ہے اور کونسی زمین ایسے شخص کو اپنی پیٹھ پر برداشت کر سکتی ہے۔ اس کو کہتے ہیں دلوں پر قرآن کا تسلط اسی طرح سے حضرت عمر فاروق کے اعمال سے ظاہر ہوتا تھا۔ کہ ان کے دل پر پورے طور پر قرآن کریم کے احکام کا تسلط ہے۔ ان کے دربار میں ایک اعرابی آتا ہے اور نہایت بیباکی سے اونچی آواز سے ان کو مخاطب کرکے کہتا ہے

لَا تَحْكُمُ بِالْعَدْلِ وَلَا تُعْطِيْنَا بِالْجَذْلِ

یعنی نہ تو آپ عدل و انصاف سے فیصلہ جات دیتے ہیں اور نہ ہی کھلے دل سے غربا کو مال دیتے ہیں۔ بھلا حضرت عمرؓ سے بڑھ کر عدل و انصاف سے حکومت کرنے والا کون ہوگا اور ان سے بڑھ کر بیت المال کے اموال کے معاملہ میں اتقا اختیار کرنے والا کون ہوگا۔ یہ توہین آمیز کلمات سن کر وہ برافروختہ ہوگئے۔ حاشیہ نشینوں کو اندیشہ ہوا۔ کہ مبادا یہ گستاخ بدو پٹ نہ جائے۔ ان میں سے ایک نے جن کا نام الحرّ تھا حضرت عمرؓ کا غصہ فرو کرنے کی خاطر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ دی

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ

اس آیت کا سننا تھا کہ حضرت عمر کی آتش غضب سرد ہوگئی یعنی

لَاَنَّهٗ كَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ

یعنی وہ احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے اور اس کے احکام سے سرمو تجاوز نہ کرتے تھے - اس سے بڑھ کر ایک اور واقعہ ہے جو بتاتا ہے - کہ حضرت عمر فاروق رض کے دل پر قرآن کریم کا کس قدر رعب تھا - ان کو برسر منبر ایک عورت نے چیلنج کیا - اور کہا - آپ کا یہ تلقین کرنا - کہ عورتوں کے مہر کم ہو جائیں - تعلیم قرآن کے خلاف ہے - اس میں تو یہ لکھا ہے -

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

یعنی تم اگر کسی عورت کو بطور مہر زر کثیر بھی دیدو - تو واپس مت لو -

وَاللّٰهُ يُعْطِيْنَا وَاَنْتَ تَمْنَعُنَا

یعنی خدا تو ہم کو اپنی عطا سے نوازتا ہے اور آپ ہیں کہ ہم کو محروم کرنا چاہتے ہیں - یہ کلام سن کر حضرت فاروق اعظم رض دم بخود ہوگئے اور مجلس کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا :-

اِنَّ نِسَاءَ الْمَدِيْنَةِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ

یعنی مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ قرآن دان ہیں ۔ اے وہ لوگو جو قرآن دانی کا ڈھنڈورا پیٹتے ہو ۔ اپنی حالت اور اپنی ذہنیت پر غور کرو ۔ اور اگر مردانہ حوصلہ رکھتے ہو تو اپنے تئیں ملامت کرو ۔ کہ ہمارے اعمال ہمارے دعویٰ کے مطابق نہیں ہیں ۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

تمہاری حالت قابل رحم ہے ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں خدا تعالیٰ کی گرفت میں آجاؤ ۔ اللہ تعالیٰ کو یہ گوارا نہیں ہے ۔ کہ کوئی شخص حضرت ﷺ کا کلمہ بھی پڑھتا ہو اور ان کو اذیت بھی پہنچاتا ہو ۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ

تمہاری یہ شان نہ ہونی چاہئیے ۔ کہ تم اپنی نابکاری سے رسول اللہ کو اذیت پہنچاؤ ۔ ایسا کرنے سے خود خدا کو ناراض کر لو گے اور مستوجب سزا ٹھہرو گے ۔ چنانچہ فرمایا :—

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○

جن لوگوں نے اس قسم کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے جس سے خدا ناراض

ہوتا ہے اور جس سے اس کے رسول کو اذیت پہنچتی ہے - وہ اس دنیا میں بارگاہ الٰہی سے دور کر دئے جاتے ہیں اور آخرش ذلت کے عذاب میں مبتلا کر دئے جاتے ہیں - ایسے وعید کے پیش نظر ان کو خوف خدا اختیار کرنا چاہئیے اور اپنے فاسد نظریات کو ترک کر دینا چاہئیے - خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے انتباہ کے لئے دو آیات کو جمع کرکے بیان کیا ہے - ایک تو وہ وعید ہے - جو مذکورہ بالا آیت میں مذکور ہے اور اس وعید سے پیشتر وہ آیت ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کے کارناموں سے اس قدر خوش ہے اور حضور ﷺ کے اعمال کی قدر دانی اس حد تک اس کو منظور ہوئی - کہ خدا اور خدا کے فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں - خدا کے حضور جس عظیم المرتبت شخصیت کی یہ قدر ہو اس کو یہ لوگ دکھ دینے کی جسارت کرکے سزا سے کیسے بچ سکتے ہیں - چنانچہ فرمایا :-

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ○ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ○

خدا کی شان کبھی وہ وقت ہم پر گذرا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و شان کی حمایت کرتے ہوئے عیسائیوں اور آریوں کے ناپاک اعتراضات کی مدافعت میں لٹریچر پیدا کرنا پڑا اور آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و شان کی حمایت میں مسلمانوں کے ایسے مقالات کی تردید میں جو نہایت ہی غیرمعقول اور نہایت ہی دل آزار ہیں قلم اٹھانا پڑا

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

صدر الدین

احمدیہ بلڈنگس لاہور

۱۲- اگست ۱۹۵۵ء